اگست ۱۹۹۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- فرائض دینی اور مسلمان خواتین
  امیر تنظیم اسلامی کا حلقہ خواتین کے اجتماع سے خطاب (۲)
- امت مسلمہ کی عمر اور مہدی کے ظہور کا امکان
  امین محمد جمال الدین (جامعہ الازہر) کی معرکۃ الاراء کتاب کا تر

قرآن کالج لاہور

اعلان داخلہ

برائے FA اور I.COM کلاسز سیشن 98-1997ء

نمایاں خصوصیات :

☆ بنیادی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام
☆ بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کی پختہ تدریس
☆ انتہائی محنتی اور قابل اساتذہ
☆ ہم نصابی سرگرمیوں میں تحریر و تقریر پر خصوصی توجہ
☆ ہاسٹل کی محدود سہولت
☆ کمپیوٹر کی مفت تعلیم

ان والدین کے لئے جو خواہش رکھتے ہوں کہ ان کا برخوردار سنجیدہ' باوقار اور بامقصد تعلیم حاصل کرے' قرآن کالج مناسب ترین ادارہ ہے!

داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۳۱/ جولائی ۹۷ء ہے

رابطہ کیجئے : 191- اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور 5833637

زیر انتظام : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۶
شمارہ :	۸
ربیع الثانی	۱۴۱۸ھ
اگست	۱۹۹۷ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زر تعاون	-/۱۰۰

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

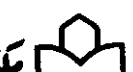

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور54700۔فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** _____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ **حالات حاضرہ** _____ ۵

امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

☆ **تذکرہ و تبصرہ** _____ ۷

فرائض دینی اور مسلمان خواتین (۲) ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **امت مسلمہ کی عمر** _____ ۲۳

اور مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان (۳)

مترجم : پروفیسر خورشید عالم

☆ **مسئلہ ایمان و کفر** _____ ۳۷

قرآن و حدیث کی روشنی میں (۳)

مولانا محمد طاسین

☆ **فکر عجم** _____ ۴۷

علامہ اقبال اور مسلمانان عجم (۲)

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ **عدل اجتماعی** _____ ۶۱

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ہدف

محمد رشید عمر

☆ **داستان عزیمت** _____ ۶۹

امام شامل (۲)

مرتب و مترجم : اظہار احمد قریشی

☆ **امیر تنظیم اسلامی کے افکار۔ انٹرویو کے آئینے میں** _____ ۷۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

ملک میں آئینی و دستوری سطح پر نفاذ شریعت کی جانب پیش رفت کا معاملہ بدستور کھٹائی میں ہے۔ اسمبلی میں دو تہائی اکثریت رکھنے والی "مسلم لیگ" نے اپنی "بروٹ میجاریٹی" کے بل پر آئین میں ان تمام ترامیم کو منظور کرانے میں غیر معمولی پھرتی اور مستعدی کا مظاہرہ کیا جن سے ان کے اقتدار کو لاحق خطرات کا ازالہ مقصود تھا۔ اللہ کی حاکمیت پر مبنی نظام کی تنفیذ اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے جاری جنگ کو بند کرنا شاید ایک غیر اہم اور غیر سنجیدہ معاملہ ہے جس کے لئے ترمیمی بل لانے کا ہمارے حکمران طبقہ کے پاس وقت نہیں ہے!! ـــــ پچھلے دنوں اخبارات میں بطرز جلی شائع ہونے والی ایک خبر نے امید کی جوت جگائی تھی۔ خبر میں بتایا گیا تھا کہ وفاقی حکومت نے سود کے ضمن میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر شدہ اپیل واپس لے لی ہے۔ اس امید افزا خبر پر ہر جانب سے مبارک سلامت کا شور اٹھا' لیکن جب اس خبر کی تفصیلات اور حکومتی "وضاحت" سامنے آئی تو حقیقت کھلی کہ قدم آگے نہیں بڑھایا گیا' پیچھے ہٹایا گیا ہے۔ گویا ع "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا!" ظاہر بات ہے کہ اندرونی دباؤ کے ساتھ ساتھ ان عالمی مالیاتی اداروں کے دباؤ کو جھیلنا بھی حکومت وقت کے لئے آسان نہیں ہے جن سے مزید سودی قرضے لئے بغیر چارہ نہیں۔ اللہ پر ایمان و یقین کی وہ کیفیت تو ہمیں حاصل ہے نہیں کہ اس کی رزاقیت پر اعتماد کرتے ہوئے فی الفور اندرون ملک سود کے خاتمے کا اعلان کر سکیں۔ اس صورت میں اللہ کی نصرت و حمایت کے حصول کے ساتھ ساتھ ۱۵۳ بلین روپے کی وہ خطیر رقم بھی بچ رہتی جو حالیہ بجٹ میں اندرون ملک قرضوں پر سود کی ادائیگی کے لئے مختص کی گئی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے..... "وہی دیرینہ بیماری' وہی نامحکمی دل کی"!!

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف دائر کردہ اپیل واپس لینے کا حکومتی ڈرامہ بلاشبہ نہایت افسوسناک ہے' جس پر چیف جسٹس آف پاکستان جناب سجاد علی شاہ نے بھی نہایت بروقت اور نہایت مناسب گرفت کی ہے۔ اس صورت حال پر امیر تنظیم اسلامی کے تاثرات و جذبات کی بخوبی عکاسی ۴ جولائی کے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز سے ہوتی ہے جسے قارئین کی دلچسپی کے لئے سطور ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے:

> امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حکومت کی جانب سے سود سے متعلق شرعی عدالت کے فیصلے کے ضمن میں وفاقی حکومت کی جانب سے سپریم کورٹ میں اپیل کی

واپسی پر مبنی اجمالی خبر پر میں نے حکومت کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا تھا مگر اب پوری صورت حال سامنے آنے پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ وفاقی حکومت کی جانب سے سود کے فیصلے کے خلاف دائر کردہ اپیل کی واپسی کا انتظار کئے بغیر وفاقی شرعی عدالت سے بینک انٹرسٹ کی حرمت کے سابقہ فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کرنا بہت بڑا فراڈ اور دھوکہ بازی کا مظہر ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ حکومت سپریم کورٹ اور شرعی عدالت میں دائر کردہ درخواستیں فوراً واپس لے اور شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف نظر ثانی کی اپیل کو سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بینچ میں فوری سماعت کا اہتمام کرے۔ انہوں نے کہا کہ چیف جسٹس کی جانب سے حکومتی طرز عمل پر مبنی برحقیقت تبصرہ میرے خیالات کی مکمل ترجمانی کرتا ہے۔ ہماری قومی زندگی پر تہہ در تہہ کئی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ پاکستانی قوم اجتماعی سطح پر منافقانہ طرز عمل کا نمونہ بن چکی ہے۔ اور جھوٹ' وعدہ خلافی اور بدعنوانی ہمارا قومی کلچر بن چکا ہے۔ انہوں نے میاں نواز شریف سے مطالبہ کیا کہ خدارا دین کے نام پر دین سے مذاق اور شریعت سے دھوکہ بازی کا سلسلہ بند کیا جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حکومت کے کچھ "خیر خواہ" سودی معیشت کے بغیر قوم کے بھوکا مرنے کا گمراہ کن پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ درحقیقت نواز شریف کے یہ حواری' آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے پجاری ہیں جو نواز شریف کی عاقبت تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سودی نظام کی وجہ سے مکمل تباہی ملک کے سر پر منڈلا رہی ہے اور ملک مکمل طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے اعداد و شمار کے حوالے سے بتایا کہ روزانہ 48 کروڑ کی خطیر قومی آمدنی سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتی ہے' ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ توبہ اور اصلاح احوال کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ لہٰذا حکومت اندرون ملک سودی معیشت کو فوراً ختم کر کے اللہ اور رسول ؐ سے جاری جنگ فوراً بند کرے اور آئندہ کے لئے یہ طے کیا جائے کہ کوئی سودی قرض بیرونی امداد کے طور پر نہیں لیا جائے گا خواہ ہمیں فاقے کرنے پڑیں' غیر سودی قرضوں کے حصول کے لئے اسلامی ممالک سے رجوع کیا جا سکتا ہے' البتہ بیرونی ممالک اور عالمی اداروں سے کئے گئے سابقہ معاہدوں کی پابندی کی جائے۔ انہوں نے کہا اندرون ملک سودی نظام کے خاتمے سے قومی آمدنی میں اس قدر اضافہ ہو جائے گا کہ اس سے ہر قسم کے بیرونی قرضوں کی ادائیگی ممکن ہو جائے گی۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ حکومت کو چاہئے کہ وہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری قوم کو سودی نظام کی تباہ کاریوں اور خباثتوں سے آگاہ کرے تا کہ سودی نظام کے خاتمے کے لئے عوام بھرپور تعاون کریں۔ انہوں نے کہا اسلامی اصولوں کی روشنی میں نظام بینکاری کامیابی سے چلایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حکومت اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات پر مبنی گورنر سٹیٹ بینک کی طرف سے جاری کردہ سرکلر میں بیان کردہ دس سفارشات فوراً نافذ کر کے غیر سودی

معیشت کو رائج کرے۔ انہوں نے بتایا کہ ملک کی قومی آمدنی کا تین چوتھائی حصہ ملکی سرمایہ داروں کی تجوریاں میں چلا جاتا ہے جبکہ 1/4 حصہ بیرونی ممالک اور عالمی اداروں کی نذر ہو جاتا ہے۔

افغانستان کی طالبان حکومت کی طرف سے اپنے تمام مخالفین کو معافی کے اعلان کی تائید کرتے ہوئے امیر تنظیم نے کہا کہ طالبان حکومت کی جانب سے اپنے مخالفین کے خلاف کارروائی نہ کرنے کا غیر معمولی اعلان درحقیقت اسوہ رسولؐ کی پیروی کا مظہر ہے۔ انہوں نے سعودی عرب کی ایران سے دوستی کی خواہش کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایران کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے ضمن میں سعودی حکومت کا فیصلہ انتہائی دانشمندانہ اور امت مسلمہ کے مفاد کے لئے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے اپنی اس توقع کا اظہار بھی کیا کہ مجھے امید ہے کہ ایرانی حکومت بھی افغانستان کی طالبان حکومت کے بارے میں اپنی موجودہ پالیسی پر نظرثانی اور طالبان سے خوشگوار تعلقات قائم کر کے اسلامی اخوت کا مظاہرہ کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ دستوری ترامیم کے ذریعے قرآن و سنت کی حاکمیت کے نفاذ سے ملک میں "سافٹ انقلاب" برپا ہو سکتا ہے مگر یہ انقلاب ہنوز دلی دور است کے مصداق ہے۔ انہوں نے کہا کہ مضبوط ڈسپلن کی حامل منظم انقلابی جماعت کے ذریعے ہی اسلامی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے جبکہ چار آنے کی ممبر سازی کی بنیاد پر بننے والی والی کاغذی جماعتوں کے ذریعے فساد تو برپا کیا جا سکتا مگر کوئی تعمیری کارنامہ سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ افراد کی تحریک کے نتیجے میں ملک میں انارکی بھی پیدا ہو سکتی ہے اور بدترین قسم کا مارشل لاء بھی مسلط ہو سکتا ہے جو ترکی اور الجزائر کی طرز کا بھی ہو سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

۶ جولائی کو تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام "دستور خلافت کی تکمیل" کے موضوع پر الحمرا ہال میں ایک بھرپور سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار کی مفصل اور مصور رپورٹ ہفت روزہ "ندائے خلافت" میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم اس سیمینار کے حوالے سے دستور خلافت کی تکمیل کے لئے چلائی گئی مہم کی کامیابی یا ناکامی کے امکانات کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی نے ۱۱ جولائی کے خطبہ جمعہ میں جن تاثرات کا اظہار کیا وہ ہمارے نزدیک نہایت اہم ہیں۔ ذیل میں مذکورہ خطاب کا خلاصہ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے :

دستور میں ترامیم کے ذریعے قرآن و سنت کو سپریم لاء بنا کر ملک میں "سافٹ انقلاب" برپا کیا جا سکتا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ دو تہائی اکثریت کی حامل مسلم لیگی حکومت دستوری سطح پر شریعت کی بالادستی اور سودی نظام کے

خاتمے کے لئے درکار عملی پیش رفت نہ کر کے ملک کو "خونی انقلاب" کی طرف لے جا رہی ہے جس کے نتیجے میں شدید خونریزی کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ملک پر پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ کی حکومت ہے جس کی قیادت ملک کے ایک شریف اور مذہبی مزاج خاندان کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر اب بھی ملک میں اسلامی نظام نافذ کر کے قیامِ پاکستان کے مقاصد کی تکمیل نہ کی گئی تو قومی سطح پر اصلاح احوال کا آخری موقع بھی ضائع ہو جائے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ وزیراعظم نواز شریف نے میرے ساتھ ملاقاتوں میں شریعت کی بالادستی کے لئے ناگزیر دستوری ترامیم اور سودی نظام کے خاتمے کا دو ٹوک وعدہ کیا اور راجہ ظفرالحق کو مجوزہ دستوری ترامیم کا بل بھی تیار کرنے کا حکم دیا مگر "پس پردہ ہاتھ" کی وجہ سے شریعت کی بالادستی کا قومی خواب پورا نہیں ہو رہا۔ انہوں نے کہا کہ سودی نظام کے خاتمے کے لئے "حالیہ حکومتی اقدامات" پوری قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور دھوکہ دہی کے مترادف ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ماضی کے حکمرانوں کی طرح ملک کو اسلامی ریاست بنانے کے عمل میں روایتی غفلت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء بنانے اور سودی نظام کے خاتمے کے لئے فوری پیش رفت کرے ورنہ ملک میں خونی یعنی سخت انقلاب کا راستہ از خود ہموار ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سودی نظام معیشت کی وجہ سے ملک کا اقتصادی ڈھانچہ بدترین تباہی اور بربادی سے دوچار ہو چکا ہے۔ اگر قوم نے اجتماعی سطح پر اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے احکامات پر عمل کر کے قوم یونسؑ کی طرح اجتماعی توبہ نہ کی تو ملک عنقریب خوفناک تباہی سے دوچار ہو جائے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جب تک انقلاب کے آخری اور فیصلہ کن مرحلے کے لئے مطلوبہ افرادی قوت مہیا نہیں ہو جاتی اس وقت تک انفرادی سطح پر دین کے احکامات کی پابندی کرتے ہوئے غلبہ دین کے لئے قائم کسی بھی اسلامی انقلابی جماعت میں شامل ہونا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی انقلابی جماعت کا "نظم" مغرب کے سیکولر جمہوری اصولوں کی بجائے سنت سے اخذ کردہ طریق بیعت پر استوار کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ایران میں منظم اور غیر مسلح احتجاجی تحریک کے ذریعے انقلاب برپا کر کے انقلاب کے آخری مرحلہ کے لئے لائحہ عمل کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ پاکستان میں بھی دین کی پابندی اختیار کرنے والے لوگوں پر مشتمل ایسی اسلامی انقلابی جماعت انقلاب برپا کر سکتی ہے جو تربیت اور تنظیم کے مراحل سے گزر کر انقلاب کے آخری مرحلے کے لئے درکار افرادی قوت کے حاصل کرنے کے بعد موجودہ باطل اور استحصالی نظام کے خاتمے کے لئے پرامن اور غیر مسلح احتجاجی تحریک برپا کر سکے۔

فرائضِ دینی اور مسلمان خواتین (۲)

امیر تنظیم کا حلقہ خواتین کے اجتماع سے ایک خطاب

○

دینی فرائض کی بلند تر منزلیں

دینی فرائض کے اعتبار سے بنیادی سطح پر گفتگو کے بعد اب ہم بلند تر منزلوں کی بات کرتے ہیں۔ سب سے اونچی منزل اور بلند ترین سطح پر وہ نظام ہوتا ہے جو کسی ملک میں قائم ہوتا ہے اور اس سطح پر تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نظام تقویٰ پر مبنی ہو۔ اس لئے کہ تقویٰ انفرادی سطح پر بھی مطلوب ہے اور قومی و اجتماعی سطح پر بھی۔ اگر اجتماعی سطح پر اللہ کا حکم نافذ ہی نہ ہو تو پورا ماحول غیر متقی ہو جاتا ہے اور اس ماحول میں کسی شخص کے انفرادی تقویٰ کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا ہے۔ یہ تقویٰ وہ ثمرات و نتائج پیدا نہیں کرتا جو اس سے ہونے چاہئیں۔ ہمارے ایک ساتھی کا ایک بڑا سادہ سا لیکن بڑا معنی خیز شعر ہے کہ ؎

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو؟
کتنا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم!

یعنی اوپر تو کفر کا اقتدار قائم ہے لیکن نیچے ایک شخص متقی بنا بیٹھا ہے تو اس کا یہ تقویٰ تو بہت ہی محدود ہو گیا۔ وہ اِس معاشرے کا ایک فرد ہے' اِس ملک کا ایک شہری ہے اور اِس اجتماعیت میں شریک ہے۔ لہٰذا جب تک پوری اجتماعیت تقویٰ پر قائم نہ ہو اس کا یہ تقویٰ کیسے مکمل ہو گا؟ اصل تقویٰ تو یہ ہے کہ اعلیٰ سطح پر اخلاقی حدود کی پابندی بھی ہو' معروف کا حکم دیا جائے اور بدی سے روکا بھی جائے۔

میں تقویٰ کی پہلی منزل کے ضمن میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ فطرتِ انسانی میں جو چیزیں ودیعت شدہ ہیں ان کی بنا پر ایک انسان بدی سے اجتناب کرتا ہے۔ اسی طرح ایک

معاشرے میں اجتماعی طور پر اس کا انتظام ہونا چاہئے کہ نیکی کا حکم دیا جائے اور بدی سے روکا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک وحدت کی صورت میں دس جگہ خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک شخص انفرادی طور پر نماز پڑھ لیتا ہے جبکہ ایک محلے کے لوگ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر نماز پڑھنے والا باجماعت نماز کی فضیلت سے محروم رہتا ہے۔ لیکن اصل مطلوب یہ ہے کہ پورے ملک میں نماز کا نظام قائم کیا جائے۔ ایسے ہی زکوٰۃ کا معاملہ ہے کہ آپ نے اپنی زکوٰۃ انفرادی طور پر کسی مستحق کو دے دی اور مطمئن ہو گئے' لیکن پورے ملک میں زکوٰۃ کا نظام قائم ہونا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے کسی غریب رشتہ دار کو تو زکوٰۃ دے دی ہو لیکن اس سے اگلا پڑوسی بھوکا مر رہا ہو اور آپ کو اس کی خبر ہی نہ ہو۔ یہ تو ایک نظام کے تحت ہی ممکن ہے کہ سب شہریوں کے اندراجات ہوں اور حکومت کو معلوم ہو کہ ہمارے اس معاشرے میں کون لوگ خود کفیل اور صاحب نصاب ہیں اور کون لوگ نصاب سے نیچے ہیں۔ ان سب کی کفالت کی ذمہ داری اس نظام پر ہو گی۔ اسی نظام کے تحت ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی جن پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اور ان لوگوں تک پہنچائی جائے گی جو اس کے حقدار ہیں۔ اسی صورت میں پورے ملک میں زکوٰۃ کی صحیح تقسیم ممکن ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست میں زکوٰۃ کی تقسیم انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر ہو گی۔ اس طرح احکام و قوانین خود ساختہ نہیں بلکہ اللہ کے عطا کردہ نافذ کئے جائیں۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ زانی مرد یا عورت اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو بر سرعام سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر زانی یا زانیہ شادی شدہ ہے تو اس کے بارے میں حکم واضح طور پر حدیث نبویؐ میں موجود ہے کہ اسے سنگسار کر دیا جائے۔ اگر ہم یہ سب کچھ نہیں کرتے تو اگرچہ ہم نماز روزہ وغیرہ کی حد تک انفرادی تقویٰ پر تو عمل پیرا ہوں لیکن ہمارا اجتماعی تقویٰ تو نہ ہوا!! اجتماعی تقویٰ کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ تمام احکام اور قوانین نافذ کئے جائیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیئے ہیں۔

'صدق' کے دو ناگزیر تقاضے

اب سمجھ لیجئے کہ انفرادی سے اجتماعی تقویٰ کی طرف سفر کرنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے : ایک یقینِ قلبی والا ایمان اور دوسرے جہاد۔ یہ دو چیزیں ہوں گی تو "صدق" کے تقاضے پورے ہوں گے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ کے حوالے سے ہم نے جن دس اوصاف کا مطالعہ کیا ہے ان میں سے ایک اہم وصف "الصَّادِقِین وَالصَّادِقَات" بھی ہے۔ "جہاد" درحقیقت نظام باطل کو تبدیل کرنے کی جدّوجہد اور کوشش ہے اور "ایمان" یہ ہے کہ دل میں اللہ کا' آخرت کا' جنت و دوزخ کا' فرشتوں کا' بعث بعد الموت کا' حساب کتاب کا' وحی کا' تمام انبیاء و رُسُل کا بالعموم اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا بالخصوص یقین ہو۔ یہ یقین قلبی والا ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں تو "صدق" وجود میں آتا ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا ہے :

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

"(راست باز' سچے اور حقیقی) مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر' پھر ہرگز شک میں نہیں پڑتے (یعنی یقین کی کیفیت حاصل کر لیتے ہیں) اور جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ صرف یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں"۔

اب نوٹ کیجئے کہ الفاظ قرآنی "وَالصَّادِقِینَ وَالصَّادِقَاتِ" کی رو سے سچا اور راست باز ہونا مرد کے لئے بھی مطلوب ہے اور عورت کے لئے بھی ـــــ اس حوالے سے ایمان حقیقی اور جہاد فی سبیل اللہ مرد اور عورت دونوں کے لئے ضروری ہے۔ میں یہ بات جس اسلوب اور انداز میں بیان کر رہا ہوں اس کو ذہن نشین کر لیجئے۔ ہم یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ چکے ہیں کہ انفرادی تقویٰ مرد و عورت دونوں کے لئے ضروری ہے' جس کے ضمن میں سورۃ الاحزاب میں دس اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اب

میں اس سے اگلی بات بیان کر رہا ہوں کہ اجتماعی تقویٰ کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ یقینِ قلبی والا ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ ہے' اور یہ دونوں چیزیں بھی مرد و عورت دونوں کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ "الصّٰدِقُون" صرف وہی مرد قرار پائیں گے جن میں یہ دونوں چیزیں موجود ہوں اور "الصّٰدِقٰات" کا مصداق بھی صرف وہی عورتیں قرار پائیں گی جو ان دونوں اوصاف کی حامل ہوں۔ لہٰذا جہاں تک "جہاد" پر کاربند ہونے کا تعلق ہے اس ضمن میں مرد و عورت کے مابین کوئی فرق نہیں۔

سہ منزلہ عمارت کی تشبیہ

فرائض دینی کے جامع تصور کو ذہن نشین کرنے کے لئے آپ ایک سہ منزلہ عمارت کی تشبیہ سامنے رکھیں۔ آپ ایک ایسی سہ منزلہ عمارت کا نقشہ ذہن میں لائیں جس کی ایک مضبوط بنیاد (Foundation) ہے جو نظر آتا ہے' اس بنیاد کے اوپر وہ کرسی (plinth) ہے جو اگرچہ بنیاد ہی کا حصہ ہے لیکن نظر آتا ہے۔ یہ بنیاد دراصل "ایمان" ہے جس کا غیر مرئی حصہ "تَصدِیقٌ بِالقَلب" اور نظر آنے والا plinth "اِقرارٌ بِاللِّسان" ہے' یعنی ایمان کا اظہار و اعلان یا کلمۂ شہادت۔ اس بنیاد کے اوپر چار ستون (نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج) کھڑے ہیں جن کے اوپر ایک چھت ہے' جس سے اس عمارت کی پہلی منزل مکمل ہوتی ہے۔ انہی ستونوں پر اس عمارت کی دوسری منزل قائم ہے' لیکن دیواریں تعمیر ہو جانے کی وجہ سے ستون نظر نہیں آ رہے۔ اسی طرح اس کے اوپر تیسری منزل ہے جس کی چھت بھی انہی ستونوں پر قائم ہے۔ اس طرح یہ عمارت ایک بنیاد' تین منزلوں اور چار ستونوں پر مشتمل ہے۔ یہ سہ منزلہ عمارت ہمارے تصورِ فرائضِ دینی کی وضاحت کرتی ہے' جو مَردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے۔ اس عمارت کے بیچوں بیچ ایک بل کھاتا ہوا زینہ ہے جو پہلی منزل کے فرش سے شروع ہو کر تیسری منزل کی چھت تک جاتا ہے۔ یہ زینہ "جہاد" ہے۔ ظاہر ہے کہ اونچائی پر چڑھنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ جہنم میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص عذاب چڑھائی چڑھنے کا رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ سورۃ المدّثر میں یہ الفاظ آئے ہیں : "سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا" یعنی

"میں عنقریب اسے چڑھائی چڑھاؤں گا"۔ اس چڑھائی کی تفصیل ہمیں اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج کا یہ مشاہدہ بیان فرمایا کہ جہنم میں بعض لوگوں کو یہ سزا دی جا رہی تھی کہ وہ بڑی محنت و مشقت سے' ہانپتے کانپتے' پسینے سے شرابور' اونچائی پر چڑھ رہے تھے۔ جب وہ بلندی پر پہنچتے تو ایک فرشتہ دھکا دے کر انہیں نیچے گرا دیتا۔ اب پھر وہ اوپر چڑھنا شروع کر دیتے۔ اس طرح وہ چڑھائی چڑھنے کے عذاب میں گرفتار تھے۔ اس پر کسی کہنے والے نے بڑی اچھی بات کہی کہ "یا تو اس دنیا میں چڑھائی چڑھ لو' یا پھر آخرت میں چڑھنی پڑے گی"۔ دنیا کی چڑھائی یہ ہے کہ محنت و کوشش اور جدّوجہد کرتے ہوئے ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری منزل پر پہنچو۔ اگر یہاں پر یہ چڑھائی چڑھ لو گے تو آخرت کی چڑھائی سے بچ جاؤ گے۔

فرائض دینی کے حوالے سے ان تین منزلوں کا تصور ذہن میں رکھئے۔ بنیادی طور پر یہ منزلیں مَردوں کے لئے بھی ہیں اور عورتوں کے لئے بھی' لیکن جوں جوں ہم نیچے سے اوپر چڑھیں گے عورتوں کا دائرہ کم ہوتا جائے گا۔ آپ نے ایک خاص طرز تعمیر کی وہ عمارتیں دیکھی ہوں گی جو نیچے سے اوپر جاتے ہوئے دونوں طرف سے ترچھی (slant) ہوتی جاتی ہیں اور اوپر جا کر ان کا رقبہ کم ہو جاتا ہے۔ مرد و عورت کے فرائض کا فرق بھی اسی نوعیت کا ہے۔ گویا مردوں کے معاملے میں یہ سہ منزلہ عمارت نیچے سے اوپر بالکل سیدھی جاتی ہے' جبکہ عورتوں کے لئے یہ عمارت دائیں اور بائیں سے ترچھی ہوتی جاتی ہے جس کی بنا پر اوپر جاتے ہوئے ہر منزل پر اس کا رقبہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اب ہم اس فرق کو ذرا تفصیل سے سمجھتے ہیں۔

مسلمان مرد و عورت کے لئے سب سے پہلی ضروری چیز ایمان کی تحصیل ہے۔ سورۃ الاحزاب میں بیان کردہ دس مطلوبہ اوصاف میں سے اولین وصف "اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ" کا مصداق تو ہم آسانی سے بن جاتے ہیں۔ چونکہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہیں لہٰذا "مسلمان" کہلاتے ہیں' لیکن دوسرے وصف "وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" کے مصداق اُس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک کہ ایمان حاصل نہ کیا جائے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا

بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ "اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر"۔ گویا ابھی تمہارا ایمان صرف تمہاری زبان کی نوک پر ہے' اس سے بڑھ کر نہیں ہے' جبکہ مطلوب یہ ہے کہ تم حقیقی ایمان لاؤ' یقین قلبی والا ایمان لاؤ۔ اور اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی' اس کے لئے جہاد درکار ہے ـــــ اور وہ ہے "قرآن حکیم میں غوطہ زنی"۔ اس لئے کہ ایمان کا منبع و سرچشمہ تو قرآن ہی ہے۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

قرآن کی تلاوت' اس میں غور و تدبّر اور علامہ اقبال کے الفاظ میں قرآن حکیم میں غوطہ زنی سے وہ یقین والا ایمان حاصل ہو گا جس کی تحصیل ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کا پہلا فرض ہے۔ اگلی ساری منزلوں کی تعمیر اور ان کے استحکام کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگر یقین قلبی والا ایمان حاصل ہو جائے تو تقویٰ کی ساری منزلیں اور جہاد کی ساری منزلیں طے ہوتی چلی جائیں گی۔

اس یقین قلبی والے ایمان اور کلمہ شہادت پر جو چار ستون (نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج) استوار ہوتے ہیں' مَردوں کے معاملے میں یہ چاروں سیدھے کھڑے ہیں اور عورتوں کے لئے پہلا اور آخری ستون (نماز اور حج) ذرا ترچھے (slant) ہو جاتے ہیں جن سے چھت کا رقبہ ذرا کم ہو جاتا ہے جبکہ عمارت کی اونچائی وہی رہتی ہے۔ نماز اور حج کے معاملے میں فرق اس اعتبار سے واقع ہوتا ہے کہ نماز اگرچہ مرد و عورت دونوں پر فرض ہے' لیکن مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے بغیر عذر گھر میں ادا نہ کرے بلکہ مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرے' جبکہ عورت کے لئے اپنے گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اسی طرح حج ہر اس مسلمان مرد پر فرض ہو جائے گا جس کے پاس پیسہ بھی ہے اور وہ صحت مند بھی ہے' لیکن عورت پر حج اس وقت تک فرض نہیں ہو گا جب تک ان دو چیزوں کے علاوہ اس کے ساتھ جانے کے لئے محرم بھی موجود نہ ہو۔ درمیانی دو ستون (روزہ اور زکوٰۃ) میں مرد و عورت کے مابین کوئی فرق نہیں۔ اگر عورت کے پاس مال و دولت یا زیور موجود ہے تو اس پر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ اس کی ادائیگی

میرے شوہر کی ذمہ داری تھی۔ اسی طرح روزے کا معاملہ ہے۔ اگر کسی وقت روزے قضا ہو جائیں تو ان کی تعداد پوری کرنا عورت پر بھی ایسے ہی فرض ہے جیسے مرد پر فرض ہے۔

یاد رہے کہ نماز کے معاملے میں مرد و عورت کے مابین فرق ایک اور اعتبار سے بھی ہے کہ حیض و نفاس کے ایّام میں عورت کو نماز کی چھوٹ مل جاتی ہے اور ان نمازوں کی قضا عورت کے ذمے نہیں ہوتی۔ اس حوالے سے امام ابو حنیفہؒ اور امام جعفر صادقؒ کا ایک قصّہ بہت مشہور ہے۔ امام ابو حنیفہؒ عمر میں چھوٹے تھے اور وہ امام جعفر صادقؒ کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے علم میں یہ بات آئی کہ جعفر صادقؒ ان سے ناراض ہیں۔ چنانچہ حاضر ہو کر اس کی وجہ دریافت کی۔ امام جعفر صادقؒ نے ان سے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ہمارے نانا (رسول اللہ ﷺ) کی حدیث کے مقابلے میں اپنے قیاس اور رائے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس الزام کی تردید کی کہ ع "یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی!" اور اس انداز سے وضاحت کی کہ اگر میں اپنے قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتا تو میں حائضہ عورت کو نمازوں کے بجائے روزوں کے معاملے میں رخصت دیتا اور اس کے لئے نماز کی قضا ضروری قرار دیتا۔ اس لئے کہ دین میں نماز کی اہمیت روزے سے زیادہ ہے۔

چنانچہ اس سہ منزلہ عمارت میں نماز اور حج کے معاملے میں عورتوں کو مَردوں کے مقابلے میں کچھ رخصت حاصل ہے، جبکہ روزہ اور زکوٰۃ کے معاملے میں ان کے مابین ذرہ برابر اور سرِمُو فرق نہیں ہے۔ نماز کے ضمن میں عورت پر مسجد جانے اور باجماعت نماز ادا کرنے کو جو لازم قرار نہیں دیا گیا وہ دین کے اس فلسفے کے مطابق ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط پسندیدہ نہیں ہے۔ عورت حجاب میں بھی ہو تو اس کا قد و قامت تو بہرحال نظر آتا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم!

چنانچہ اسلام اختلاطِ مرد و زن کے اس فتنے کے تمام راستے مسدود کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ عورت کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا۔ یہ ضرور ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں عیدین اور جمعہ کے اجتماعات میں عورتوں کو شرکت کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اس لئے کہ اُس دور میں تعلیم اور تلقین کا کوئی اور ذریعہ تھا ہی نہیں' نہ کتابیں اور رسالے تھے اور نہ ہی آڈیو اور ویڈیو کیسٹ موجود تھے۔ لہٰذا ایسے اجتماعات میں جہاں حضور ﷺ کا خطبہ ہوتا تھا' عورتوں کی شرکت کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ عام نمازوں کے اجتماعات میں بھی انہیں شرکت کی اجازت تھی اور ان کی صفیں سب سے آخر میں ہوتی تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جب یہ دیکھا کہ اس سے فتنے کا دروازہ زیادہ کھلنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے تو آپ ؓ نے خواتین کو مسجد میں آنے سے روک دیا۔ اسی طرح چونکہ محرم کے بغیر سفر میں فتنے کے امکانات ہیں لہٰذا ایسی عورت سے حج ساقط ہو جاتا ہے جس کے ہمراہ جانے کے لئے محرم موجود نہ ہو۔ سورۃ الاحزاب میں بیان شدہ دس اوصاف کا تعلق اسی پہلی منزل سے ہے' جو مَردوں اور عورتوں دونوں سے مطلوب ہیں۔

عورت کے لئے "دعوت و تبلیغ" کا دائرہ کار

اس عمارت کی دوسری منزل "دعوت و تبلیغ" یا "شہادت علی الناس" ہے۔ یعنی جو خیر آپ تک پہنچا ہے اسے دوسروں تک پہنچاؤ' اسے عام کرو! اگر آپ یہ ذمہ داری ادا نہیں کر رہے تو آپ مجرم ٹھہرے' کہ پھر لوگ کیسے جمع ہوں گے اور یہ نظام کیسے بدلے گا؟ اس کے بغیر وہ طاقت کیسے وجود میں آئے گی جو نظام کو تقویٰ پر استوار کر سکے۔ لیکن عورت کے لئے دعوت و تبلیغ کا دائرہ محدود ہو جائے گا۔ گویا اس دوسری چھت کا رقبہ اس کے لئے مزید کم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ عورت پر حجاب کی پابندی ہے۔ چنانچہ عورت اول تو عورتوں ہی کو دعوت و تبلیغ کا ہدف بنائے۔ اور مَردوں میں سے صرف اپنے محرم مردوں یعنی والد' چچا' ماموں' بھائی اور بیٹوں وغیرہ کو دعوت دے۔ اور کیا معلوم کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سینکڑوں کے مقابلے میں قوی ثابت ہو جائے۔ اگر ایک بہن فاطمہ ؓ بنتِ خطاب نے اپنے ایک بھائی عمر ؓ بن خطاب کو لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں پیش کر دیا تو کیا یہ ایک مرد دوسرے سینکڑوں پر بھاری نہیں تھا؟ تو دعوت و تبلیغ کے معاملے میں یوں سمجھئے کہ اس دوسری منزل کی چھت عورتوں کے لئے مردوں کے مقابلے میں تین چوتھائی رہ جائے گی۔ پہلی چھت تو 8 / 1 کم ہوئی تھی اور 8 / 7 رقبہ باقی تھا۔ یہاں رقبہ مزید کم ہو گیا۔ اس لئے کہ نامحرم مردوں کو دعوت و تبلیغ کی کوئی ذمہ داری عورتوں پر سرے سے عائد نہیں ہوتی۔ انہیں صرف خواتین میں اور محرم مردوں میں کام کرنا چاہئے۔

خواتین کے لئے اجتماعات کا انعقاد بھی ہونا چاہئے اور انہیں اپنی دعوت پھیلانے کے لئے آڈیو ویڈیو کیسٹس وغیرہ سے بھی کام لینا چاہئے۔ اس دور میں دعوت و تبلیغ کے جو بھی مؤثر ذرائع موجود ہیں ہمیں ان سب کو بروئے کار لانا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ اہتمام ضروری ہے کہ جن خواتین پر گھریلو ذمہ داریاں زیادہ ہیں وہ اس کام کے لئے کم وقت نکال لیں اور جو خواتین گھریلو ذمہ داریوں سے کچھ فارغ ہو چکی ہوں وہ زیادہ وقت نکالیں۔ نوجوان لڑکیوں کے گھروں سے نکلنے میں چونکہ زیادہ خطرات ہوتے ہیں اس لئے اس بات کا پورا اہتمام ہونا چاہئے کہ ان کے ساتھ محرم لازماً موجود ہوں۔ لیکن ادھیڑ عمر کی عورتوں پر پابندیاں نرم ہو جاتی ہیں۔ جیسے سورۃ النور میں فرمایا گیا: "فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ" کہ اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں۔ لیکن ہمارے ہاں اس معاملے میں بھی 'منشائے شریعت کے برعکس' سختی کی جاتی ہے' حالانکہ ہمارا طرز عمل تو یہ ہونا چاہئے کہ جو کچھ کرنا ہے اس لئے کرنا ہے کہ شریعت نے اس کا حکم دیا ہے اور جو کچھ چھوڑنا ہے وہ اس لئے چھوڑنا ہے کہ شریعت نے اس سے روکا ہے۔

"اقامتِ دین" کی جدّوجہد میں خواتین کا حصہ

فرائض دینی کی تیسری منزل "اقامتِ دین" ہے۔ یعنی دین کو قائم کرنے کے لئے باطل سے کشاکش اور مقابلہ' جس کے بغیر باطل کی بیخ کنی ممکن ہی نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ چھوٹے سے پودے کو بھی جڑ سے اکھاڑنے کے لئے کتنا زور لگانا پڑتا ہے اور اسے کس

طرح ہلا ہلا کر کھینچا جاتا ہے۔ باطل کے ساتھ کشاکش اور تصادم کے بھی دو مرحلے ہیں۔ پہلے مرحلے پر خواتین کی شرکت (جب تک دُوبدُو مقابلے کی نوبت نہ آئے) ہرگز کسی فتنے کے زمرے میں نہیں آتی۔ یہ جہاد کا وہ مرحلہ ہے جس میں خواتین کی شرکت بھی ضروری ہے۔ البتہ جہاں دُوبدُو مقابلے کی نوبت آجائے وہاں زمین آسمان کا فرق واقع ہو جائے گا۔ جنگ و قتال "جہاد" کا وہ مرحلہ ہے جہاں دُوبدُو مقابلہ ہوتا ہے اور اس مرحلے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خواتین کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ تاہم اس میں خواتین کی شرکت بالواسطہ ہو گی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو اس کے لئے تیار کریں' جیسے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے سات بیٹے اللہ کی راہ میں شہید کرائے تھے۔ اپنے شوہروں کو بھی خوش دلی کے ساتھ میدان جنگ میں بھیجیں۔ یہ نہ ہو کہ شوہر قتال کے لئے روانہ ہو رہا ہو اور گھر میں بین ہو رہا ہو' چیخ و پکار ہو رہی ہو' جس سے شوہر کے جذبات بھی افسردہ ہو رہے ہوں۔ پھر وہ اپنے بھائیوں کو بھی اس کی ترغیب و تشویق دلائیں۔ اس طرح جنگ و قتال میں خواتین کا حصہ بالواسطہ (Indirect) ہو گا۔

موجودہ دور میں قتال کی ایک اور صورت بھی ممکن ہے' جو دو طرفہ جنگ کے بجائے یک طرفہ جنگ کی ہے۔ یہ صورت سول نافرمانی اور دھرنے کی ہے جس میں نہتے مظاہرین کی طرف سے کوئی پُرتشدد کارروائی نہیں ہوتی بلکہ انہیں تشدّد کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اگر اپنے کسی مطالبے کے حق میں دھرنا مار کر بیٹھا جائے کہ ہم اس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک (مثلاً) سودی نظام کے خاتمے کا اعلان نہیں کیا جاتا' تو اس صورت میں کیا ہو گا؟ اگر اس مرحلے پر خواتین بھی ان مظاہروں میں شریک ہوتی ہیں تو انہیں بھی پولیس کی لاٹھیوں اور گولیوں کا نشانہ بننا پڑے گا' نامحرم مردان کی بے حرمتی کریں گے اور انہیں اٹھا اٹھا کر ٹرکوں میں پھینکیں گے۔ یا پھر ۱۹۷۷ء کی تحریک کی طرح آبرو باختہ عورتوں کی "نتھ فورس" بلائی جائے گی' تاکہ ظاہر یہی ہو کہ عورتوں سے کھینچا تانی عورتیں ہی کر رہی ہیں۔ تو جان لیجئے کہ قتال خواہ دو طرفہ ہو خواہ یک طرفہ ہو' یہ خواتین کی ذمہ داری نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے بری قرار دیا ہے ـــــ اِلّا یہ کہ کبھی کوئی ایسی صورت درپیش ہو کہ دار الاسلام پر حملہ ہو جائے اور بھیڑیئے مسلمانوں کے گھروں پر

ٹوٹ پڑیں۔ ایسے وقت کے لئے خواتین کو تیار رہنا چاہئے کہ اس وقت ان کی حیثیت بھیڑ بکریوں کی سی نہ ہو جائے کہ درندے انہیں بلامزاحمت اٹھا کر لے جائیں' بلکہ وہ ان سے دُو بدُو مقابلہ کریں اور انہیں ماریں اور خود جامِ شہادت نوش کریں۔ لیکن خود گھر سے نکل کر قتال عورت کے لئے جائز نہیں' خواہ وہ یک طرفہ ہو یا دو طرفہ۔ اس میں ان کی شرکت' جیسا کہ عرض کیا جا چکا' بالواسطہ ہو گی کہ وہ شوہروں' بیٹوں' بھائیوں اور محرم مَردوں کو اس کام کے لئے تیار کریں۔ جن خواتین کے شوہر اقامتِ دین کی جدّوجہد میں مصروف ہوں وہ ان پر سے اپنی ذمہ داریاں کم کریں۔ انہیں اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے زیادہ سے زیادہ سبکدوش رکھیں اور اپنی فرمائشیں اور ڈیمانڈز حتی الامکان کم کریں تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ دین کے اس کام میں لگے رہیں۔ ان سے ایسے شکوے شکایات نہ کریں کہ آپ ہمیں تو وقت دیتے ہی نہیں' آپ کا وقت یا تو دفتر میں گزرتا ہے یا تنظیمی سرگرمیوں میں! ـــــ بلکہ وہ خوش دلی کے ساتھ اپنے حقوق کو اس لئے چھوڑ دیں کہ ہمیں اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا۔ اس طرح اس جدّوجہد میں بالواسطہ وہ بھی شریک ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کی مستحق ہوں گی۔

ہمارے حلقے کی وہ خواتین جن کے شوہر تنظیم میں نہیں آئے' انہیں سب سے زیادہ زور اپنے شوہروں کو اس راستے پر لانے کے لئے دینا چاہئے۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا فکر صحیح کیا جائے۔ اگر آپ نے ان کے فکر کو سمجھا ہی نہیں کہ اس میں کہاں کجی ہے' ان کا فرائضِ دینی کا تصور ہی درست نہ ہو اور وہ آپ کے بارے میں یہ سمجھتے ہوں کہ میری بیوی کو تو خواہ مخواہ نیکی کا ہیضہ ہو گیا ہے اور اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے' تو جب تک ان کے اور آپ کے مابین فکری ہم آہنگی نہیں ہوتی آپ کی دعوت و تبلیغ نتیجہ خیز نہیں ہو گی۔ اور اس مقصد کی خاطر محنت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود آپ کا فکر اور آپ کی سوچ پختہ ہو اور آپ قرآن و حدیث کے حوالوں اور عقلی دلائل سے اپنا فکر پیش کر سکیں اور انہیں قائل کر سکیں کہ ہمارا دین واقتادین ہے' صرف مذہب نہیں ہے' اور دین اپنا غلبہ چاہتا ہے ـــــ اور یہ کہ غلبہ خود بخود حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے اہل ایمان کو جہاد اور قتال کرنا ہوتا ہے۔ پھر آپ

انہیں یہ بتائیں کہ جہاد خواتین کے لئے بھی ضروری ہے اور مَردوں کے لئے بھی، البتہ قتال خواتین کی ذمہ داری نہیں، یہ آپ مَردوں کا فرض ہے۔ اگر آپ کا اپنا فکر آپ کے ذہنوں میں اس کے صغریٰ کبریٰ اور دلائل کے ساتھ پوری طرح راسخ ہو تو پھر آپ اپنے مَردوں کو بھی اس کام کے لئے آمادہ کر سکیں گی۔ اگر آپ کے شوہر اس کے لئے تیار نہیں ہو رہے تو بھائی تیار ہو جائیں گے، اور اگر بالفرض بھائی بھی اس راستے پر نہیں آ رہے تو اس فکر کو اپنی اولاد کے ذہنوں میں تو ٹھونک ٹھونک کر اتار دیا جائے۔

البتہ میرے نزدیک آج کے زمانے میں خواتین کے حوالے سے جس طرح کا فتنہ مغرب اٹھا رہا ہے اس میں ہماری خواتین کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے۔ اس حوالے سے مغرب نے ایشیا، بلکہ عالمِ اسلام کو اپنا خصوصی ٹارگٹ بنایا ہے۔ ہندوستان میں تو شرم و حیا نام کی کوئی شے پہلے موجود تھی نہ آج موجود ہے۔ اسی طرح مشرق بعید کے ممالک فلپائن وغیرہ بھی اس معاملے میں بہت آگے ہیں۔ اگر کہیں شرم و حیا کسی درجے میں باقی ہے تو وہ صرف عالمِ اسلام ہے، اور مغرب کا اٹھایا ہوا یہ سارا فتنہ اسی کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ اب اس کے مقابلے کے لئے ہمیں اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے کہ باپردہ، برقع پوش خواتین باہر نکل کر دنیا کے سامنے یہ نقشہ پیش کریں کہ یہاں خواتین صرف بے پردہ ہی نہیں رہتیں، باپردہ بھی رہتی ہیں۔ لیکن اس میں انداز چیلنج کا نہیں بلکہ خاموش مظاہروں کا ہو گا۔ جیسے ہم اب تک خاموش مظاہرے کرتے آئے ہیں کہ بینرز اور ٹی بورڈز لے کر اخبارات وغیرہ کے دفاتر کے باہر کھڑے ہو گئے کہ اخبارات میں بے حیائی اور فحاشی پر مبنی تصاویر مت شائع کرو! اسی طرح اگر برقعوں میں ملبوس خواتین بینرز لے کر کھڑی ہوں اور ان کے محرم مردان کی حفاظت کے لئے ساتھ ساتھ موجود ہوں تو میرے نزدیک یہ وقت کی ایک ضرورت ہے، جو پوری ہونی چاہئے۔ لیکن جب یہی معاملات اس سطح پر آ جائیں گے کہ "اب ہم اس اخبار کو شائع نہیں ہونے دیں گے" یا یہ کہ "ہم اس بینک کو نہیں چلنے دیں گے" تو اس دھرنے، گھیراؤ یا picketing میں خواتین شریک نہیں ہوں گی، کیونکہ اب اس میں دُوبدُو مقابلے اور ہاتھاپائی کی نوبت آ سکتی ہے۔

ہمارے بعض ساتھیوں کا خیال ہے کہ عورتوں کو اس سے کمتر درجے کے مظاہروں کے لئے بھی گھروں سے باہر نہیں آنا چاہئے' لیکن میرے نزدیک احتیاط کے پہلو کو اس قدر زیادہ ملحوظ رکھنا شریعت کے دائرے سے بھی تجاوز کرنا ہے۔ اسلام نے عورت کو ضرورت کے پیش نظر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ اس اجازت کو ہم دنیا کے لئے تو استعمال کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ دین کے لئے استعمال کرنے کو تیار نہیں؟ ہماری بعض خواتین برقعے میں گاڑیاں چلاتی ہیں' بعض خواتین سودا سلف خود خریدتی ہیں' تو کیا آپ اسے حرام کہیں گے؟ انفرادی کاموں کے لئے تو ہم خواتین پر عائد پابندیوں سے استثناء حاصل کر لیتے ہیں لیکن دین کے کام میں آکر ہم اضافی پابندیاں عائد کر لیتے ہیں۔ میرے نزدیک عورتیں اگر پردے کی پابندی کرتے ہوئے احتیاط کے ساتھ خاموش مظاہروں میں شریک ہوں' جبکہ ان کے محرم بھی ان کے ہمراہ ہوں' تو نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں' بلکہ ان کا یہ اقدام قابل ستائش ہو گا۔ تو یہ ہے فرائض دینی کے اعتبار سے خواتین کا معاملہ ـــــ یعنی جب انفرادی تقویٰ سے شروع ہو کر نظام کو بدلنے کے لئے آخری اجتماعی تقویٰ تک بات پہنچے گی' تو درجہ بدرجہ مَردوں اور خواتین کے فرائض اور ذمہ داریوں میں کیا فرق ہو گا!

خواتین کے لئے اجتماعیت سے وابستگی کی ضرورت و اہمیت

اس ضمن میں ایک آخری بات کا اضافہ کر لیجئے کہ انفرادی تقویٰ سے اجتماعی تقویٰ تک کا یہ درجہ بدرجہ سفر کسی اجتماعیت کے بغیر' انفرادی طور پر طے نہیں ہو سکتا' بلکہ اس کے لئے ایک منظم جماعت درکار ہے ـــــ اور جماعت کی مسنون' ماثور اور منصوص بنیاد صرف بیعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بھی بیعت لی' حالانکہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ جب مَردوں سے بیعت ہو گئی تو عورتیں خود بخود اس میں شامل ہو گئیں' اس لئے کہ وہ مَردوں کے تابع ہیں' کیونکہ وہ تو گویا اپنے شوہروں سے بیعت ہیں۔ بیوی کو اپنے شوہر کا حکم اسی طرح ماننا ہوتا ہے جس طرح مامور کو امیر کا۔ وہ شریعت کے حکم کے خلاف اپنے شوہر کا کوئی حکم نہیں مانے گی' لیکن شریعت کے دائرے کے اندر اندر

اسے ہر حکم ماننا ہوتا ہے۔ لیکن اگر عورتوں کو مردوں کے تابع جانتے ہوئے مردوں کی بیعت ہی میں شامل سمجھ لیا جاتا تو ان میں یہ احساس کیسے پیدا ہوتا کہ وہ بھی کسی اجتماعیت کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان کے ذمے اس اجتماعیت کے کچھ حقوق ہیں۔

بیعت "بیع" سے ہے اور بیع بیچنے کو کہتے ہیں۔ اللہ کے ہاتھ پر اپنی جان اور مال کو بیچ دینا ہر مسلمان مرد و عورت سے مطلوب ہے۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾

"یقیناً اللہ نے خرید لئے ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔"

چنانچہ جہاد فی سبیل اللہ کی منزلیں بھی مرد و عورت دونوں کے لئے ہیں۔ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں تین چار آیتوں پر مشتمل ایک نہایت عمدہ دعا وارد ہوئی ہے۔ اس کے بعد پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾

"پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی' کہ میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا' چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ تم ایک دوسرے میں سے ہی ہو۔"

(یہاں ایک بار پھر سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ ذہن میں تازہ کر لیجئے' جس میں مَردوں اور عورتوں کے لئے مطلوب اوصاف "اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ" سے لے کر "وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ" تک گنوائے گئے ہیں۔)

﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ ﴾ (آیت ۱۹۵)

"پس جن لوگوں (مَردوں اور عورتوں) نے میری خاطر ہجرت کی اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا اور وہ میری راہ میں ستائے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور مارے گئے' ان سب کے قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں نہریں رواں ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں۔ اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے"۔

نوٹ کیجئے کہ سورۂ آل عمران کی اس آیت میں بیان کردہ اوصاف بھی مَردوں اور عورتوں کے لئے مشترک ہیں' سوائے لفظ "قتال" کے۔ اس لئے کہ سورۂ آل عمران غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی تھی اور اس میں اس غزوے کا تذکرہ ہے۔ غزوۂ احد میں خواتین بھی میدانِ جنگ میں پہنچی تھیں اگرچہ بالکل آخری وقت میں جب کہ اہل ایمان کی شکست اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی تھی۔ لیکن اس کے بعد جب سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب نازل ہوگئیں اور پردے کے احکام آگئے تو عورتیں قتال سے مستثنیٰ قرار پاگئیں۔ چنانچہ غزوۂ خیبر کے لئے کچھ خواتین نے نکلنا بھی چاہا تو حضورؐ نے منع فرمادیا اور وہ واپس چلی گئیں۔ باقی تمام معاملات میں مرد و عورت سب برابر ہیں۔

مَردوں اور عورتوں کی بیعت کا فرق

البتہ جہاں تک ایک نظم سے وابستہ رہنے کے لئے بیعت کا تعلق ہے' مَردوں کی بیعت اور خواتین کی بیعت کا الگ الگ نظام ہے۔ ہم نے بھی تنظیم اسلامی میں مَردوں اور عورتوں کے لئے بیعت کے الفاظ مختلف رکھے ہیں۔ اس میں جہاں تک اللہ کے ساتھ معاہدہ ہے' اس میں مَردوں اور عورتوں کو برابر شریک کیا ہے' اور عورتوں کے لئے بھی وہی الفاظ رکھے ہیں جو مردوں کے لئے ہیں :

((اِنِّی اُعَاهِدُ اللّٰهَ عَلٰی اَنْ اَهْجُرَ كُلَّ مَا يَكْرَهُهُ' وَاُجَاهِدَ فِی سَبِيْلِهٖ جُهْدَ اِسْتِطَاعَتِیْ' وَاُنْفِقَ مَالِیْ وَاَبْذُلَ نَفْسِیْ لِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ وَاِعْلَاءِ كَلِمَتِهٖ))

"میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتی ہوں کہ :

ان تمام چیزوں کو ترک کردوں گی جو اسے ناپسند ہیں' اور اس کی راہ میں مقدور بھر

جہاد کروں گی' اور اس کے دین کی اقامت اور اس کے کلمہ کی سربلندی کے لئے اپنا مال بھی صرف کروں گی اور جان بھی کھپاؤں گی"۔

اس کے بعد جو "بیعت النساء" کے الفاظ ہیں وہ وہی ہیں جو قرآن حکیم میں سورۃ الممتحنہ میں وارد ہوئے ہیں' جبکہ مَردوں کے لئے بیعت کے الفاظ وہ ہیں جو حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی حدیث کے مطابق بیعت عقبہ ثانیہ کے الفاظ ہیں۔

اس ضمن میں "مسلمان خواتین کے دینی فرائض" نامی کتابچے کے نئے ایڈیشن (طبع جون ۹۷ء) میں کچھ لفظی تبدیلیاں کی گئی ہیں اور کچھ وضاحتی الفاظ شامل کئے گئے ہیں۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کی تمام رفیقات کو اس کتابچے کا از سرنو مطالعہ کرلینا چاہئے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

دلچسپ' عام فہم اور منفرد اسلامی رسالے

ماہنامہ "الفاروق" کراچی کا "پاکستان نمبر"

ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ میں شائع ہو رہا ہے

جس میں تحریک پاکستان' قیام پاکستان اور استحکام پاکستان کے حوالے سے

بیش قیمت مضامین شامل اشاعت ہیں

پاکستانی مسلمانوں کے لئے تحفہ خاص

رابطہ : ماہنامہ "الفاروق" کراچی

پوسٹ بکس نمبر 11009' شاہ فیصل کالونی نمبر 4' کراچی 24

فون : 4573865-4573436

امّتِ مُسلمہ کی عمر(۳)

اور

مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان

امین محمد جمال الدین

شعبہ دعوت و ثقافت' دعوت اسلامی کالج' جامعہ الازہر

کی معرکۃ الآراء کتاب "عمر امۃ الاسلام وقرب ظہور المہدی" کا

تیسرا باب

مترجم : پروفیسر خورشید عالم' قرآن کالج لاہور

فصل اول

مَہدی :

قیامت کی علاماتِ صغریٰ اور کبریٰ کی درمیانی کڑی

مہدی کے بارے میں اس کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں کہ معنوی اعتبار سے وہ حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں {۱} ۔ شیخ محمد برزنجی (متوفی ۱۱۰۳ھ) اپنی کتاب "الاشاعۃ لأشراط الساعۃ" کے تیسرے باب میں کہتے ہیں کہ وہ بڑی بڑی علامتیں جن کے فوراً بعد قیامت آجائے گی کثرت سے ہیں' ان میں سب سے پہلی نشانی ظہورِ مہدی ہے۔ اس سلسلہ میں حدیث کی مختلف روایات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مہدی کا وجود' آخر زمانہ میں ان کا ظہور' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کی وجہ سے آل رسولؐ سے ان کی نسبت اس قدر تواتر سے حدیثوں میں ملتی ہے کہ

اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں {۲}۔

محمد السفارینی (المتوفی ۱۱۸۸ھ) اپنی کتاب "لوامع الانوار البریۃ" میں کہتے ہیں کہ ظہور مہدی کے بارے میں روایات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ معنوی طور پر تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ اہل سنت کے علماء میں ان کا چرچا ہے حتیٰ کہ اس کا شمار ان کے عقائد میں ہوتا ہے {۳}۔

امام شوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) اپنی کتاب "نیل الاوطار" میں لکھتے ہیں کہ مہدی کے سلسلہ میں وارد ہونے والی قابل اعتماد احادیث کی تعداد پچاس ہے۔ ان میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ یہ سب احادیث بلاشک وشبہ متواتر ہیں {۴}۔

نواب صدیق حسن قنوجی (متوفی ۱۳۰۷ھ) نے کہا ہے کہ مہدی کے بارے میں مختلف طریقوں سے اس کثرت سے احادیث آئی ہیں کہ وہ حد تواتر تک پہنچ جاتی ہیں {۵}۔

مہدی کی شان میں وارد ہونے والی احادیث متواتر ہیں اور ماضی و حال کے سب علماء کا سوائے ابن خلدون کے اس بات پر اجماع ہے کہ عقیدۃً اور تصدیقاً اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ امتِ محمدیہ میں اہل بیت کا ایک آدمی تیار کرے گا جو فتنوں اور آخری خونریز معرکوں میں مسلمانوں کی قیادت کرے گا۔ وہی مہدی ہوں گے۔ علماء اسلام نے مہدی کے سلسلہ میں مروی احادیث کی طرف خاصی توجہ دے کر ان کی تشریح اور توضیح کا حق ادا کیا ہے اور صرف اسی موضوع پر تیس سے زائد کتابیں لکھی ہیں {۶}۔ مہدی کا مسئلہ ہماری کتاب کے موضوع کا ایک بنیادی مسئلہ ہے کیونکہ ہر مجدون کے معرکہ کے فوراً بعد ان کا ظہور ہوگا۔ اس پہلو پر ان لوگوں کی نظر نہیں پڑی جنہوں نے اس معرکہ پر گفتگو کی ہے۔ اس لئے ہم اس موضوع پر اس انداز سے بحث کریں گے کہ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد پورا ہو جائے۔ یعنی مہدی کا موجودہ حالات کے ساتھ تعلق کیا ہے اور وہ کس طرح قیامت کی چھوٹی بڑی نشانیوں کے درمیان ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہم ان تمام احادیث کو بیان نہیں کریں گے جو مہدی کی شان میں وارد ہیں بلکہ صرف انہی حدیثوں پر اکتفا کریں گے جو مہدی کے اوصاف، ان کے ظہور کی علامات اور ان کے

زمانے میں ہونے والے فتنوں اور جنگوں پر روشنی ڈالتی ہیں اور ان لمبی چوڑی تفاصیل سے صرف نظر کریں گے جو خاص اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں موجود ہیں۔ جو تفاصیل جاننا چاہے وہ ان کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

دوسری فصل

مہدی کون ہے؟

وہ مہدی جن کا انتظار ہو رہا ہے وہ حسن بن فاطمہ بنتِ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے اہل بیت کا ایک مسلمان نوجوان ہو گا جس کا نام محمد بن عبداللہ ہو گا۔ اس کا نام نبی ﷺ کے نام جیسا اور اس کے والد کا نام آپ کے والد کے نام جیسا ہو گا۔ وہ ایک خلیفہ راشد اور امام مہدی (ہدایت یافتہ) ہو گا۔ اس کا اس امام منتظر سے کوئی تعلق نہیں جس کا انتظار رافضی (شیعہ) کر رہے ہیں اور یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ سامراء کے تہہ خانے سے ظاہر ہوں گے۔ اس کی کوئی حقیقت ہے نہ ہی کوئی دلیل۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مہدی منتظر محمد بن الحسن عسکری ہیں جو پانچ برس کی عمر میں تہہ خانہ میں داخل ہوئے تھے۔ وہ تہہ خانہ سے ان کے خروج کے منتظر ہیں مگر وہ وہاں سے کبھی بھی نہیں نکلیں گے۔ {۷}

مہدی کے اوصاف

محمد بن عبداللہ مہدی کی تعریف نبی ﷺ نے یوں کی ہے : "اس کی ناک درمیان سے بلند ہو گی {۸}' پیشانی کھل ہو گی' وہ ظلم و جور سے بھرے ہوئے خطہ ارضی کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ سات' آٹھ یا نو برس تک حکومت کرے گا۔ اس کے دور حکومت میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد لوگ اس طرح ناز و نعمت سے زندگی بسر کریں گے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ رات بھر میں مہدی کو تیار کر کے اس کی اصلاح کرے گا اور اس کی پشت پناہی کرے گا"۔

"اللہ اس کی اصلاح کرے گا" اس تعبیر کے کیا معنی ہیں؟ ـــــ اس کے دو معنی ہو

سکتے ہیں :

۱۔ اس میں کچھ چھوٹے چھوٹے نقص (صغیرہ گناہ) ہوں گے۔ اللہ اس کی توبہ قبول کر کے اس کو توفیق بخشے گا اور رشد و ہدایت اس کے دل میں ڈال دے گا۔ یعنی پہلے سے اس کی یہ کیفیت نہ ہوگی۔ {۹}

۲۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ اسے خلافت اور آخری زمانے کے فتنوں اور جنگوں کے درمیان مسلمانوں کی قیادت کے لئے تیار کرے گا۔

دونوں معانی مراد ہو سکتے ہیں مگر دل دوسرے معنی کو قبول کرتا ہے۔ عرب یہ جملہ "اَصلحہ اللّٰہ" تعریف اور دعا کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ جو کوئی امیر کے ساتھ بات شروع کرتا ہے تو کہتا ہے "اَصلح اللّٰہ الامیر" (اللہ امیر کا بھلا کرے) یعنی اللہ اس کو توفیق بخشے 'سیدھے راستہ پر لگائے اور اس کی حالت کو درست کرے۔

ہم بعض ایسی احادیث بیان کریں گے جن میں مجملاً مہدی کی صفات کا ذکر ہے۔ روایت کا متن اتنا ہی بیان کریں گے جس سے مقصد پورا ہو جائے اور سند روایت کی تحقیق بھی اتنی جس سے ہماری غرض و غایت پوری ہو۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: "مہدی مجھ میں سے ہوگا (یعنی میری اولاد سے ہوگا) اس کی ناک درمیان سے بلند ہوگی' پیشانی کشادہ ہوگی۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ وہ سات برس تک حکمرانی کرے گا"۔ {۱۰}

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی۔ اللہ میری اولاد سے ایک آدمی بھیجے گا جس کا نام وہی ہوگا جو میرا ہے۔ اس کے باپ کا نام وہی ہوگا جو میرے باپ کا ہے۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بالکل اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ نہ آسمان اپنی بوندیں ذرہ برابر بھی روکے گا اور نہ زمین اپنی نباتات ذرہ برابر روکے گی۔ وہ تمہارے درمیان سات یا آٹھ برس یا زیادہ سے زیادہ نو برس تک ٹھہرے گا"۔ {۱۱}

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "مہدی ہمارے اہل بیت میں سے ہوگا۔ اللہ

ایک رات میں اس کی اصلاح کردے گا"۔[۱۲] (یصلح اللّٰہ کی ترکیب کے معنی اوپر گزر چکے ہیں)۔

۴۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "مہدی میری اولاد یعنی اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہو گا"۔[۱۳]

۵۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "میری امت کے آخری وقت میں ایک خلیفہ ہو گا جو مال بکھیرتا پھرے گا مگر اس کو گنے گا نہیں"۔[۱۴]

مہدی کی آمد اور ان کے ظہور کی علامات کے بارے میں احادیث نقل کرنے سے پہلے ہم دو باتوں کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں :

۱۔ ظہور مہدی کسبی بات نہیں ہے جو مہدی محمد بن عبداللہ کی کاوشوں اور مطالبوں کا نتیجہ ہو۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ مہدی کو تو اس کا علم ہی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ایک رات میں اس کی نوک پلک سوار کر ایک ایسی قوم کو اس کے لئے تیار کرے گا جو کسی قطار و شمار میں نہ ہو گی۔ نہ اس قوم کے پاس طاقت ہو گی۔ وہ کعبہ کے نزدیک اس کی بیعت کریں گے اور وہ خود اس بیعت کو پسند نہیں کرے گا۔

۲۔ آخری زمانہ میں مہدی کی آمد تقدیر کا فیصلہ ہے۔ اللہ نے اسے مقرر کیا ہے اور لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ یہ بات تو ہو کر رہے گی بالکل اسی طرح جس طرح مسیح دجال کا ظہور، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا خروج اور قیامت کی باقی نشانیاں ہو کر رہیں گی۔

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ مہدی پر ایمان شرعاً واجب ہے۔ یہ مومن کے عقیدہ کا لازمی جزو ہے، کیونکہ اس بارے میں مروی احادیث متواتر ہیں، جیسا کہ پہلے باب میں ہم نے اس بات کی وضاحت کردی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک متواتر احادیث علم قطعی کا ذریعہ ہیں۔ ان کا علم واجب اور ان پر عمل فرض ہے۔ حدیث متواتر کو جھٹلانے والا اور اس کا منکر دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

تیسری فصل

ظہورِ مہدی کا وقت

یہ فصل اس کتاب کی اہم ترین فصل ہے بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ یہ اس پیغام کا مرکزی نقطہ ہے جسے میں لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میری یہ خواہش ہے کہ سب مسلمان بلکہ اہل کتاب بھی اس پیغام کو خود بھی سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہو کر رہے گی اور یہ تقدیر کے ان حقائق کا یقینی بیان ہے جو مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہوں گے اور ان کے ذریعے اللہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرے گا۔

ہم مہدی کی آمد کے انتظار میں یہ دن گزار رہے ہیں اور اس کے ظہور کے منتظر ہیں' جو ہر مجدون کی مشہور و معروف اور جلد ہونے والی حتمی جنگ کے بعد ہو گا۔ پہلے ہم ان حدیثوں کو بیان کریں گے جو مہدی کی آمد کے زمانہ پر دلالت کرتی ہیں پھر ان کا باہمی ربط بتائیں گے جس سے تصویر واضح ہو جائے گی۔

پہلی حدیث : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "اہل روم عنقریب امن کی غرض سے تمہارے ساتھ صلح کریں گے' پھر تم مل کر کسی دشمن پر حملہ کرو گے۔ تمہیں کامیابی ہو گی' مال غنیمت ملے گا' پھر تم صحیح سلامت لوٹ جاؤ گے۔ پھر تمہارا پڑاؤ اونچے اونچے ٹیلوں والی چراگاہ میں ہو گا۔ اہل صلیب میں سے ایک آدمی صلیب اٹھا کر کہے گا "صلیب غالب آ گئی"۔ ایک مسلمان غصہ میں آ کر کھڑا ہو گا اور اسے دھکا دے گا۔ اس وقت اہل روم صلح توڑ دیں گے اور ایک خونریز معرکہ کے لئے اکٹھے ہو جائیں گے۔ وہ آٹھ جھنڈے لے کر آئیں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے ۱۲ ہزار فوج ہو گی۔"{۱۵}

دوسری حدیث : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک رومیوں کی فوج اعماق یا دابق کے مقام پر پڑاؤ نہ ڈال لے۔ ان سے مقابلہ کے لئے روئے زمین کے بہترین افراد پر مشتمل ایک لشکر مدینہ سے روانہ ہو گا۔ جب وہ ایک دوسرے کے سامنے صف بندی کریں گے تو روم والے کہیں گے کہ ہمیں ان لوگوں سے

لڑنے دو جنہوں نے ہمارے آدمیوں کو قیدی بنالیا ہے۔ مسلمان جواب دیں گے: نہیں اللہ کی قسم! ہم تمہیں اپنے بھائیوں سے نہیں لڑنے دیں گے۔ جب وہ (یعنی مہدی اور اس کے ساتھی) شام میں آئیں گے تو دجال کا خروج ہو گا۔ ابھی وہ صفیں درست کر کے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے کہ نماز کھڑی ہو جائے گی۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو گا"۔ {۱۶}

تیسری حدیث : اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: "ایک خلیفہ کی موت کے وقت قوم اختلاف کا شکار ہو جائے گی۔ ایک آدمی بھاگ کر مدینہ سے مکہ چلا جائے گا۔ اس کے پاس مکہ کے کچھ لوگ آئیں گے' اسے زبردستی باہر نکال کر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے"۔ {۱۷}

چوتھی حدیث : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بڑے خونریز معرکہ میں مسلمانوں کا کیمپ غوطہ نامی جگہ پر ہو گا۔ وہاں دمشق نامی ایک شہر ہو گا جو ان دنوں مسلمانوں کے لئے بہترین منزل ثابت ہو گا"۔ {۱۸}

ان احادیث میں غور و فکر کرنے سے ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ :

۱۔ یہ ایک عالمی اتحادی جنگ ہو گی جس میں ہم اور اہل روم (امریکہ اور یورپ) حلیف ہوں گے اور مشترکہ دشمن کے خلاف لڑیں گے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دشمن کمیونسٹ ہوں یا کوئی اور ہوں..... کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

اس اتحادی عالمی جنگ کی تمہیدات کا آغاز ہو چکا ہے۔ آج ہمارے اور اہل روم کے درمیان پر امن صلح ہے۔ کمیونسٹ کیمپ (یعنی چین' روس اور ان کے ماننے والے) آپس میں معاہدے اور عہد و پیمان کر رہا ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کا عہد کر لیا ہے' بلکہ اپریل ۱۹۹۶ء میں روس کے وزیر اعظم نے چین کا دورہ کیا۔ صورت حال میں یہ ایک ایسی مبہم تبدیلی ہے جس کی پہلے سے کوئی مثال نہیں ملتی۔ پوری دنیا اور مشرق وسطیٰ کے درمیان معاہدوں کی تیز دوڑ لگی ہوئی ہے۔ آخری چند مہینوں کے درمیان ایسے ایسے عہد و پیمان باندھے گئے ہیں جو کئی صدیوں سے وجود میں نہیں آئے۔ اس آخری مرحلے

میں یہودیوں کا اپنی قیادت کے لئے منتن یاہو جیسے انتہاپسند کا انتخاب اور اس کے نتیجہ میں مسلمان عربوں کی غفلت کی نیند سے بیداری اور شیرازہ بندی کی کاوش' فیصلہ کن جنگ اور قریبی خاتمہ کی طرف بہت سے اشاروں میں سے ایک اشارہ ہے۔ ٹکراؤ کی آواز بلند ہو چکی ہے اور کشیدگی میں مسلسل تیزی آ رہی ہے۔

ہم یہ عبارت سنتے رہتے ہیں "چین اور امریکہ کے ٹکراؤ کا خطرہ"۔{۱۹} ہم یہ عبارت سنتے رہتے ہیں کہ "روس اور امریکہ کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ امریکہ کو ایک بہت بڑے خفیہ کمپلکس کا پتہ چل گیا ہے جس کی تعمیر روس کر رہا ہے اور جو ایٹمی قیادت کا مرکز ہو گا"۔{۲۰} ہم یہ بھی سنتے رہتے ہیں کہ ترکی اور اسرائیل نے اتحاد کر لیا ہے جس سے عرب مسلمان خطرہ محسوس کر رہے ہیں اور ترکی کے ساتھ معاملات میں بڑی احتیاط برت رہے ہیں۔ ہم یہ بھی سنتے رہتے ہیں کہ امریکہ اور جاپان کا اتحاد ہو گیا ہے۔ یہ اتحاد ان معاہدوں کے علاوہ ہے جو یہاں وہاں ہو رہے ہیں۔ (موجودہ عالمی نقشہ) خواہ کچھ بھی ہو' ہر کوئی حالت منتظرہ میں ہے' آس لگائے بیٹھا ہے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ کس کی انگلیاں آگے بڑھ کر تباہ کن جنگ کے سوئچ کو دبائیں گی۔ غالباً وہ کامیاب و کامران مسلمانوں اور رومیوں کا ہلاک ہو گا۔

۲ ۔ یہ جنگ ٹھیک کس وقت ہو گی؟ اس کا جواب اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ زیادہ تر اہل کتاب کی رائے یہی ہے کہ یہ جنگ تین سال کے اندر اندر (یعنی ۲۰۰۰ء سے پہلے) ہو گی۔ کیونکہ وہ ایک نجات دہندہ اور مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں جو آسمان سے اتر کر ان کو نجات دلائے گا۔ یہودی بھی اس نجات دہندہ یا الہامی بادشاہ کے منتظر ہیں جس کو وہ مسیحا (Messiah) کا نام دیتے ہیں جو عالمی سطح پر ان کی قیادت کرے گا۔ انہوں نے اس کے وقت کا بھی تعین کر لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اپریل ۱۹۹۸ء یعنی اسرائیل کے قیام کے پچاس برس بعد اس کا ظہور ہو گا۔{۲۱}

عین اس وقت مسیح دجال{۲۲} اپنے پیروکاروں کے ساتھ نئے ہیکل (ہیکل سلیمانی) میں رونما ہو گا اور بڑے پادری کے ساتھ جلنے والی قربانی دے گا۔{۲۳} اس کے پیروکار قربانی کے گرد اکٹھے ہو کر اللہ سے دعا مانگیں گے کہ وہ آسمان سے آگ بھیج کر اس کو جلا

دے۔ یہی قربانی کی قبولیت کی نشانی ہوگی۔ وہاں وہ سات دن ٹھہرے گا مگر کوئی اس کی طرف دھیان نہیں دے گا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام، یہودیت اور عیسائیت تینوں شریعتوں کی عیدیں جن کا تعلق قربانی سے ہے وہ اپریل ۱۹۹۸ء کے پہلے پندرھواڑے میں ہوں گی۔ مسلمانوں کی عیدالاضحیٰ ۵ سے ۸/ اپریل کے درمیان اور عید فصح (Easter) ۱۰ سے ۱۷/ اپریل کے درمیان ہوگی۔ یہی وقت یعنی اپریل ۱۹۹۸ء یہودیوں کے نزدیک ان کے مسیحا اور نجات دہندہ کے ظہور کا ہے، جو ان کے خیال کے مطابق ان کو فاسد اقوام سے اور قرآنی تعبیر کے مطابق امیوں (ان پڑھ) سے نجات دلائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "یہ اس سبب سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر (غیر اہل کتاب) امیوں کے بارے میں کسی طرح کا الزام نہیں۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں حالانکہ (دل میں) وہ بھی جانتے ہیں" (آل عمران : ۷۵)

رہے نصاریٰ تو وہ آنے والی تباہ کن ہرمجدون کی جنگ کے آغاز میں آسمان سے عیسیٰؑ کے نزول کے منتظر ہیں۔ ان کے خیال میں ایسا ۲۰۰۱ء کے موسم خزاں ہوگا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب عیسیٰؑ نازل ہوں گے وہ اپنے ماننے والوں کو بادلوں سے اوپر اٹھالیں گے، تاکہ وہ اس جنگ کی ہولناکیوں کا مشاہدہ نہ کرسکیں۔ چنانچہ وہ اپنے ماننے والے نیکوکار لوگوں کی پشت پناہی کے لئے نازل ہوں گے۔ {۲۴}

مسلمان کیا کہتے ہیں؟

ہم یہ کہتے ہیں کہ جنگ قریب ہے اور مقابلہ ہونے والا ہے۔ یہ جنگ انتظار کرنے والوں کے تصور اور آس لگانے والوں کی آس سے بھی جلد ہوگی۔ لیکن ہمارے رسول ﷺ نے وقت کا تعین نہیں کیا۔ اس لئے ہم قطعی بات نہیں کہہ سکتے۔ مگر اجمالاً اس کی عام علامتوں کا ذکر اللہ کے رسول ﷺ نے کردیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سب علامتیں پوری ہوچکی ہوں۔ ہمیں انتظار کرنا چاہئے اور تیار رہنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے جنگ اس وقت ہو جس کا اہل کتاب ذکر کرتے ہیں یا تھوڑا آگے پیچھے ہو۔ بہرکیف معاملہ تھوڑے

عرصہ سے آگے نہیں بڑھنا۔

اس عالمی اتحادی اور تباہ کن جنگ کے بعد اہل روم عہد شکنی کریں گے

یہ اس وقت ہو گا جب ہم اس جنگ میں کامیاب ہونے کے بعد مال غنیمت لے کر صحیح سالم واپس لوٹیں گے۔ اہل روم میں ایک آدمی کھڑا ہو کر صلیب بلند کر کے یہ کہے گا کہ "صلیب غالب آگئی"۔ دین کی غیرت کھا کر ایک مسلمان اٹھے گا اور اسے دھکا دے گا یا اسے قتل کر دے گا۔ رومی عہد شکنی کی نیت سے اپنے ملک کو لوٹ جائیں گے۔ اہل روم نو (۹) مہینے میں خفیہ طور پر ہمارے خلاف لشکر جمع کریں گے' جیسا کہ احمد نے مسند میں ایک روایت بیان کی ہے: "وہ تمہارے لئے نو ماہ یعنی اتنی مدت میں جتنی مدت عورت کے حمل کو درکار ہوتی ہے' لشکر جمع کر لیں گے"{۱۵}۔ اسی دوران مہدی کا ظہور ہو گا کیونکہ وہ بڑی جنگ (الملحمۃ الکبریٰ) میں مسلمانوں کی قیادت کرے گا۔ اس کا کیمپ دمشق سے قریب غوطہ نامی مقام پر ہو گا جہاں رومی اکٹھے ہو کر سیریا کی طرف مارچ کریں گے' وہ بھی دمشق سے قریب اعماق یا دابق نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالیں گے۔ وہ ایک لشکر جرار ہو گا جس میں اسی (۸۰) ڈویژن فوج پے بہ پے چل رہی ہو گی۔ ہر ڈویژن میں ۱۲ ہزار سپاہی ہوں گے۔

ظہورِ مہدی کا وہی وقت ہو گا جس میں اہل روم عہد شکنی کرتے ہوئے ہمارے خلاف ایک عظیم لشکر جمع کریں گے۔ اس فصل کی تیسری حدیث (اختلاف خلیفہ کی موت کے وقت ہو گا) واضح کرتی ہے کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہو گا جب خلیفہ کی موت واقع ہو جائے گی۔ اس وقت اختلاف پیدا ہو گا اور حکومت کے لئے باہمی جنگ ہو گی۔ اس وقت مہدی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ ضعف معمولی ہے۔ اس کے شواہد موجود ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں اور اسے تقویت بخشتے ہیں۔ اگر ہم اس حدیث کو سامنے رکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مہدی کا خروج اس عرصہ میں ہو گا جس میں اہل روم عہد شکنی کریں گے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ اسی زمانہ میں مسلمانوں کا خلیفہ وفات پا جائے گا۔ حکومت میں اختلاف کے بعد مہدی کا ظہور ہو گا۔

اگر ہم صورت حال پر غور کریں تو معلوم ہو گا آج روئے زمین پر کوئی ایسا حاکم نہیں جو خلیفہ کہلاتا ہو سوائے جزیرۃ العرب (سعودی عرب) کے جس کے رہنے والوں کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ اپنے موجودہ بادشاہ کو خلیفہ کے لقب سے پکاریں۔

ہمارے اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حالات قرب قیامت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ موجودہ خلیفہ یعنی ملک فہد کی صحت پچھلے دنوں سے خاصی بگڑی ہوئی ہے' یہاں تک کے اس نے حکومتی امور کو اپنے نائب کے حوالے کر دیا ہے اور عربوں کی سربراہی کانفرنس (جون ۱۹۹۶ء) میں بڑے اہم معاملات طے کرنے کے لئے اسے حق نیابت دے دیا ہے۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے۔ کیا تعجب ہے کہ وہ وہی خلیفہ ہو جس کی موت ظہور مہدی کی علامت ہو گی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کیا ہونے والا ہے۔ (جاری ہے)

حواشی

{۱} متواتر حدیث اس حدیث کو کہتے ہیں جو صحیح ہو اور جسے ایسے ثقہ راویوں نے بیان کیا ہو جن کا کذب پر اتفاق محال ہو۔ سند کی ابتداء سے انتہا تک اسی قسم کے راوی ہوں گے۔ ان کی روایات معنوی طور پر بعینہ ملتی ہوں گی' ہاں الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف ہو سکتا ہے۔ ایسی حدیث کو متواتر معنوی کہتے ہیں اور جمہور علماء کے نزدیک اس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے۔ اس کا علم واجب اور اس پر عمل فرض ہے اور ان کا انکار کفر کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔

{۲} الاشاعۃ' ص ۸۷' ص ۱۱۳

{۳} مختصر لوامع الانوار البریۃ ومواطع الاسرار الاثریۃ' ص ۳۳۴

{۴} اس کا تذکرہ شوکانی نے اپنی کتاب (التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح) ان سے شیخ صدیق خان نے اپنی کتاب الاذاعۃ (ص ۱۱۳) اور ان سے شیخ عبدالمحسن العباد نے ص ۱۲۱ اور شیخ محمد بن اسماعیل نے المقدم کے صفحہ ۷۶ پر نقل کیا ہے۔

{۵} الاذاعۃ لما کان وما یکون بین یدی الساعۃ ص ۱۱۳

{۶} اس کتاب کے آخر میں میں ان کتابوں اور ان کے مصنفین کا بیان بطور ضمیمہ دوں گا۔

{۷} ابن کثیر کی تاریخ النہایۃ میں "الفتن والملاحم" کا باب دیکھئے۔ اس میں ایک فصل میں مہدی کا تذکرہ ہے (ج ۱)

{۲۹} القنا سے مراد ناک کی لمبائی، بانس کی باریکی اور درمیان میں ابھار ہے۔ مرد کو اقنیٰ اور عورت کو قنواء کہا جاتا ہے۔ یہ خوبصورتی کی علامت ہے۔ دیکھئے مختار الصحاح، باب القاف، مادہ ق ن ا

{۹} کتاب الفتن والملاحم، ذکر مہدی کی فصل ج ۱

{۱۰} حدیث حسن ہے جسے ابو داؤد اور حاکم نے ابو سعید الخدری سے روایت کیا ہے۔ ابن قیم "المنار المنیف" میں فرماتے ہیں: اس کی سند جید ہے۔ ناصر الدین البانی نے تخریج المشکاۃ اور صحیح الجامع میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

{۱۱} صحیح حدیث ہے۔ طبرانی، بزار اور ابو نعیم نے اسے روایت کیا ہے۔ سیوطی نے الجامع میں اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (رقم ۱۵۲۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

{۱۲} حدیث صحیح ہے۔ احمد نے مسند میں اور ابن ماجہ نے سنن میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔ احمد شاکر نے مسند کے حاشیہ میں اسے صحیح گردانا ہے اور البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ میں (رقم ۲۳۷۱) اسے صحیح قرار دیا ہے۔

{۱۳} حدیث حسن ہے۔ ابو داؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس کی صحت کا اشارہ کیا ہے۔ البانی کا قول ہے کہ اس کی سند جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس حدیث کے شواہد بھی موجود ہیں۔ دیکھئے السلسلۃ الضعیفہ للالبانی (۱ : ۱۰۸) اس حدیث پر لمبی بحث ہے، جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

{۱۴} احمد نے مسند میں اور مسلم نے صحیح میں جابر بن عبداللہ اور ابی سعید الخدری کی روایت سے بیان کیا ہے۔

{۱۵} باب اول فصل سوم میں اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے، بعض الفاظ مختلف ہیں۔

{۱۶} مسلم نے صحیح میں ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ میں نے ایک اور حدیث بطور شاہد پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ یہ حدیث فصل پنجم میں بیان ہوگی۔

{۱۷} احمد اور ابو داؤد نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ اور طبرانی (الاوسط) نے بھی روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ ابن قیم نے اس کی سند کو حسن کہا ہے' مگر اس کے سلسلہ سند میں ایک راوی ایسا ہے جس کو ایک سے زیادہ محدثین نے ضعیف گردانا ہے۔ اس لئے البانی نے السلسلہ الضعیفہ (رقم ۱۹۶۵) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر اس جیسی بعد میں مروی روایات کا ذکر کیا ہے اور ان کو الصحیحہ (رقم ۱۹۴۴) میں بیان کیا ہے۔

{۱۸} احمد ابوداؤد اور حاکم نے اسے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح الجامع میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

{۱۹} قاہرہ کا اخبار الاھرام' ۲۵ مئی ۱۹۹۶ء

{۲۰} قاہرہ کا اخبار الاھرام' اپریل ۱۹۹۶ء

{۲۱} اینا دستورس کی تحقیق جس کا عنوان "سفر دانیال پر ایک نظر" ہے میں لکھا ہے: اسرائیلی حکومت کے ظہور اور مسیح دجال کے ظہور کے متعلق رب نے یہ کہہ کر وقت کا واضح تعین کر دیا ہے کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایک نسل کے گزرنے سے پہلے یہ سب باتیں ہو جائیں گی (انجیل متی ۲۴' ۳۴' ۳۵) مسیح دجال کا ظہور = حکومت اسرائیل کا قیام + ۵۰ برس (مئی ۱۹۴۸ء + ۵۰ = اپریل ۱۹۹۸ء)

{۲۲} نصاریٰ' مسیح کذاب (Anti Christ) کے الفاظ کا اطلاق اس شخصیت پر کرتے ہیں جسے یہودی نجات دہندہ یا بادشاہ سمجھتے ہیں اور جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ یہ آدمی ربوبیت کا دعویٰ کر کے ساری دنیا میں تباہی مچا دے گا۔ مسلمان بھی اس کے ظہور پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق اسے مسیح دجال کا نام دیتے ہیں۔

{۲۳} حال ہی میں یہودی مسجد اقصیٰ کے گرد گڑھے کھودنے کی کوشش کر رہے ہیں تا کہ اس کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کریں اور جلد ہی اس کے قریب جلنے والی قربانی پیش کریں۔

{۲۴} مسلمانوں کا بھی عیسائیوں کی مانند یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ کا جلد ہی آسمان سے نزول ہو گا' مگر وہ ان کی طرح یہ یقین نہیں رکھتے کہ رب کی حیثیت سے ان کا نزول ہو گا بلکہ وہ ایک نبی اور رسول کی حیثیت سے نازل ہو کر صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ختم کر دیں گے۔ اس وقت اسلام اور تلوار میں سے ایک چیز کو قبول کرنا پڑے گا۔

{۲۵} اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔

KT

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

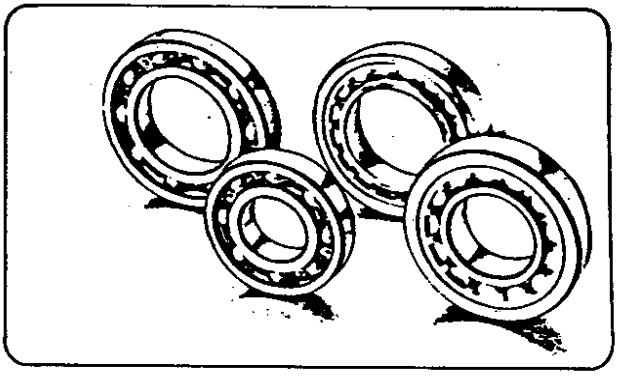

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING !

مسئلہ ایمان و کفر

قرآن و حدیث کی روشنی میں

(آخری قسط)

مولانا محمد طاسین

اب میں اس نازک اور افسوسناک مسئلہ کی طرف آتا ہوں اور اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو میری اس تحریر کا اصل محرک اور باعث بنا۔ اس مسئلہ سے میری مراد مسلمانوں کی تکفیر کا مسئلہ ہے۔ تکفیر کا مسئلہ اپنے برے اثرات و نتائج کے لحاظ سے ایک نہایت مضر اور بھیانک مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ سے امّتِ مسلمہ کو جتنا نقصان پہنچا شاید کسی دوسرے مسئلہ سے اتنا نہیں پہنچا۔ اس مسئلہ کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر جو افتراق و انتشار ظہور میں آیا اور اس نے ان کو جو متحارب فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو مباح الدم اور واجب القتل سمجھنے لگے ایسا شاید کسی دوسرے مسئلہ سے ظہور میں نہیں آیا۔ بعض اوقات یہ مسئلہ مسلمانوں کے درمیان خون خرابے اور قتل و غارت کا سبب بھی بنا۔ بہرحال یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تکفیر کا مسئلہ نہایت فتنہ انگیز مسئلہ ہے۔ اس کی فتنہ سامانیوں سے مسلمانوں کو شدید ضرر و نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ اس کی کچھ وضاحت یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کسی اختلاف کی بنا پر مسلمان کو کافر کہتا اور اس کے ایمان و اسلام کی نفی کرتا ہے، تو اس سے دوسرے مسلمان کو خواہ وہ کتنا ہی بے عمل کیوں نہ ہو، جو ذہنی اذیت پہنچتی اور جو رنجش ہوتی ہے وہ اس کو کسی مغلظ سے مغلظ گالی سے بھی نہیں پہنچتی اور نہیں ہوتی۔ وہ اس کو اپنی توہین و تحقیر محسوس کرتا ہے اور لوگوں میں اپنی بدنامی اور رسوائی کا باعث سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس کے دل میں تکفیر کرنے والے کے متعلق نفرت و عداوت پیدا ہونا ایک بالکل فطری امر ہے، جو کسی وقت باقاعدہ نزاع و تصادم کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جس کا

نتیجہ تباہی اور ہلاکت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

قرآن و حدیث میں جو ہدایات و تعلیمات ہیں خواہ وہ عقائد سے متعلق ہوں یا عبادات سے' اخلاق سے متعلق ہوں یا معاملات سے' ان کے بغور مطالعے سے ایسا لگتا ہے کہ ان میں اس چیز کو بطور ایک اعلیٰ مقصد کے سامنے رکھا گیا ہے کہ عام لوگوں کے درمیان بالعموم اور مسلمانوں کے درمیان بالخصوص اتحاد و اتفاق پر مبنی خوشگوار تعلقات رونما ہوں اور وہ پائیدار امن و سکون کے ساتھ خوشگوار زندگی گزاریں' اپنے متعلقہ فرائض ٹھیک طرح سے انجام دیں اور ایک دوسرے سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آئیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ہر اُس اعتقاد و عمل اور ہر اُس قول و فعل کے اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے جن کے اختیار کرنے سے وحدت و یگانگت کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے اور باہمی ربط و تعلق خوشگوار بنتا ہے۔ نیز ایسے تمام عقائد و افکار اور اقوال و افعال سے سختی کے ساتھ روکا اور منع کیا گیا ہے جن سے تفرقہ و تشتت وجود میں آتا اور باہمی نزاع و تصادم کی فضا پیدا ہوتی ہے اور آپس کے تعلقات بگڑ کر رہ جاتے ہیں۔ اور کسی کو بھی پائیدار امن و اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے کی بنا پر تکفیر کا معاملہ یعنی ایک دوسرے کو کافر کہنے اور دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا رویہ اور عمل بھی ایسا ہی رویہ اور عمل ہے جس سے مسلمانوں کے مابین باہمی نفرت و عداوت کا پیدا ہونا اور نزاع اور جھگڑے کی بنا پر آپس کے تعلقات کا بگڑنا' ایک لازمی اور قطعی بات ہے۔ لہٰذا ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں واضح طور پر اس سے روکا اور منع فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث نبوی سے مراد سنن ابی داؤد کی درج ذیل حدیث ہے :

عن انسٍ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسولُ اللہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم : ثلاثٌ مِن اصلِ الایمانِ' الکفُّ عمَّن قال لا الٰہ الا اللّٰہ لا تکفرہٗ بذنبٍ ولا تخرجہٗ من الاسلامِ

بعمل، والجهادُ ماضٍ منذُ بعثَنِیَ اللّٰہ الٰی ان یُقاتِلَ آخرُ ھٰذہِ الامۃِ الدّجالَ، ولا یُبطِلہُ جَورُ جائرٍ ولا عدلُ عادلٍ، والایمانُ بالاَقدار۔ (ص ۳۴۳ - ج اول)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: "تین چیزیں اصل ایمان سے ہیں اور ان کا ایمان سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا، نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی بنا پر اس کو اسلام سے خارج کیا جائے۔ دوسری چیز جہاد میں حصہ لینا ہے جو اس وقت سے شروع ہوا جب اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا اور اس وقت تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا جب میری اس امت کا آخری حصہ دجال سے جنگ و قتال کرے گا۔ اس درمیان اس کو نہ کسی ظالم کا ظلم باطل ٹھہرا سکے گا اور نہ کسی عادل کا عدل ساقط کر سکے گا۔ اور تیسری چیز تقدیر پر ایمان ہے"۔

اس حدیث نبوی میں جن تین باتوں کی خاص اسلوب سے ہدایت و تعلیم فرمائی گئی ہے ان میں سے پہلی بات کا تعلق ہمارے زیر بحث مسئلہ یعنی مسئلہ تکفیر سے ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی گناہ اور برے عمل کی وجہ سے دوسرے مسلمان کی تکفیر کرے اور اس کو خارج از اسلام قرار دے۔ اور چونکہ یہ ممانعت نہی کے صیغہ سے فرمائی گئی ہے جو تحریم پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان کے لئے ایسا کرنا حرام ہے جس سے ضرور بچنا اور اجتناب کرنا چاہئے۔

اس حدیث نبوی میں بجائے یہ فرمانے کے کہ کوئی مسلمان کسی گناہ و جرم کی وجہ سے دوسرے مسلمان کی تکفیر نہ کرے اور اس کو خارج از اسلام قرار نہ دے، یہ فرمایا گیا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل اور پڑھنے والا ہو، کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے نہ اس کے لئے کافر کا لفظ استعمال کیا جائے اور نہ اسے اسلام سے خارج یعنی غیر مسلم گردانا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اس بات کی دلیل اور علامت قرار دیا ہے کہ اس کے پڑھنے والے کے دل میں پانچ ایمانی عقائد بھی موجود ہیں اور وہ پانچ ارکان اسلام کو بھی قول و عمل سے مانتا ہے۔ لہٰذا کلمہ توحید پڑھنے والا شرعاً

مومن اور مسلم کا مصداق قرار پاتا ہے۔

دوسری چیز جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ کسی گناہ اور برے عمل کی وجہ سے مومن و مسلم کے ایمان اور اسلام کی نفی نہیں ہوتی' اس کے باوجود وہ مومن و مسلم ہی رہتا ہے۔ اس چیز کا علم اور ثبوت صرف اس حدیث سے نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی بکثرت نصوص سے فراہم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کا مطالعہ کیجئے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ کامل فوز و فلاح کے لئے ضروری ہے کہ مومن و مسلم کی عملی زندگی اعمال صالحہ سے آراستہ اور اعمالِ فاسدہ اور سیئہ سے پاک صاف ہو۔ اور یہ کہ ایسی عملی زندگی والا مومن و مسلم بلاشبہ مومنِ کامل اور مسلمِ کامل کا مصداق ہوتا اور دنیوی و اخروی اعتبار سے کامل فوز و فلاح کا مستحق قرار پاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سی قرآنی آیات سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مومن و مسلم سے ایسے اعمالِ بد بھی صادر ہو سکتے ہیں جو ذنوب و آثام یعنی گناہوں اور جرائم کا مصداق ہوتے ہیں اور جن پر انسان سزا اور عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اور یہ کہ ایسا مومن و مسلم جس کی زندگی میں نیک اعمال کے ساتھ بد اعمال بھی موجود ہوں وہ مومن و مسلم ناقص اور فاسق کا مصداق قرار پاتا ہے۔ مطلب یہ کہ برے اعمال سے مومن و مسلم کے ایمان و اسلام میں نقص تو ضرور واقع ہوتا ہے لیکن اس کے ایمان و اسلام کی مطلقاً اور کلیتاً نفی نہیں ہوتی۔ اور یہ کہنا درست اور جائز نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کی وجہ سے کافر اور خارج از اسلام ہو گیا' سوائے ایک شکل کے کہ وہ دعویٰ ایمان و اسلام کے بعد شرک جلی کا ارتکاب کرے۔ یعنی کھلے طور پر بتوں وغیرہ کی عبادت اور پرستش کرے۔ اس شکل میں وہ چونکہ کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کی نفی کرتا ہے لہٰذا ضرور کافر اور غیر مسلم کہلانے کا سزاوار ہوتا ہے' لیکن کسی ایسے قول و فعل کی بنا پر جس کے کفریہ اور شرکیہ ہونے میں اختلاف ہو' بعض علماء کے نزدیک وہ کفریہ اور شرکیہ ہو اور دوسرے بعض کے نزدیک کفریہ و شرکیہ نہ ہو' کسی مومن و مسلم کو کافر اور مشرک نہیں کہا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ میرے علم و فہم کے مطابق فلاں مسلم فرد یا مسلمان جماعت کا فلاں قول و عمل کفریہ اور شرکیہ ہے۔ اس کو ایسے قول و عمل کی وجہ سے کافر اور مشرک کہنا اس لئے درست نہیں

ہوتا کہ اس کی زندگی میں ایمان و اسلام کے ساتھ دوسرے بہت سے ایسے افکار و اعمال اور اقوال و افعال موجود ہوتے ہیں جو اس کے مومن اور موحّد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ مثال سے اس کی وضاحت اور تفہیم کرنی ہو تو ایک شخص کو لیجئے جو بہت سی باتوں کا علم رکھتا لیکن کچھ باتوں کو نہ جانتا اور ان کے متعلق جاہل ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے متعلق یہ کہنا کسی عقلمند اور حقیقت پسند کے نزدیک صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص جاہل مطلق ہے' بلکہ اس کے متعلق جو صحیح بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ بہت سی باتوں کے عالم ہونے کے ساتھ وہ بعض باتوں سے جاہل ہے۔ صرف یہی حقیقت حال کی صحیح تعبیر ہو سکتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس مومن اور مسلم کی عملی زندگی میں ایمان' اسلام اور توحید کی بہت سی وجوہ موجود ہونے کے ساتھ کچھ کفر و شرک کی وجوہ بھی موجود ہوں تو اس کے لئے حقیقتِ واقعہ کے مطابق صحیح تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی زندگی میں کچھ ایسی وجوہ پائی جاتی ہیں جو بعض اہل علم کی رائے کے مطابق کفر و شرک کی وجوہ ہیں' جو صحیح رائے بھی ہو سکتی ہے اور غلط رائے بھی۔ بہرحال ان وجوہ کی بنا پر ایک مومن و مسلم کو جو ایمانی عقائد رکھتا اور ارکان اسلام کو مانتا ہو' کافر و مشرک اور اسلام سے خارج یعنی غیر مسلم کہنا کسی طرح درست اور جائز نہیں ہو سکتا' بلکہ قرآن و حدیث کی رو سے قطعاً غلط اور ناجائز قرار پاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ بدقسمتی سے بعض اہل علم تعبیر کے مذکورہ فرق کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے بڑی بے احتیاطی اور بے باکی سے ہر اس کلمہ گو مسلمان فرد و جماعت کو کافر سے تعبیر کیا جس کا کوئی خیال و نظریہ یا قول و عمل ان کے علم و فہم کے مطابق غیر اسلامی اور کفریہ و شرکیہ تھا' حالانکہ وہ فرد اور فرقہ اپنے اس خیال و نظریئے اور قول و فعل کو اپنے علم و فہم کے مطابق صحیح سمجھتا اور اس کو کفریہ و شرکیہ ماننے کو تیار نہ تھا۔

قرآن و حدیث میں مسلمانوں کے لئے یہ واضح ہدایت و تعلیم ہے کہ ایک مسلمان جب کسی دوسرے مسلمان بھائی کے اندر کوئی ایسی بات اور چیز دیکھے جسے وہ شریعت کی رو سے غلط سمجھتا ہو تو اس کا دینی فریضہ ٹھہرتا ہے کہ وہ سچی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ اور حکمت اور موعظۂ حسنہ کے طریقہ سے قابل فہم اور آسان دلائل کے ذریعے اس کو سمجھانے کی کوشش کرے۔ پس اگر سمجھانے سے وہ سمجھ جائے اور غلطی کی اصلاح کر

لے تو بہت ہی اچھا' ورنہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے' زبردستی اور سختی کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس کی وجہ سے وہ ماننے پر مجبور ہو جائے' کیونکہ ایک مسلمان کی انفرادی ذمہ داری صرف اچھے اور خوبصورت طریقہ سے سمجھانے کی حد تک ہے۔ اگر اس میں وہ کوئی غفلت و کوتاہی برتتا ہے تو اس سے ضرور باز پرس ہوگی۔ زبردستی منوانے کا نہ وہ مکلّف و ذمہ دار ہے اور نہ اس پر اس سے عند اللہ کوئی جواب طلبی ہوگی۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ آپ کا منصبی فریضہ صرف یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغامات اللہ کے بندوں تک پہنچائیں اور ان کو سمجھادیں' ماننا یا نہ ماننا ان کی مرضی پر ہے' آپ کی ذمہ داری منوانا اور راہ راست پر لانا نہیں ہے' آپ ان پر مصیطر' وکیل اور داروغہ نہیں بلکہ صرف نذیر و بشیر ہیں' یعنی برے انجام سے خبردار کرنے اور اچھے انجام کی بشارت و خوشخبری دینے والے ہیں' سختی کے ساتھ لوگوں کو دین حق منوانے والے نہیں۔ پھر جب اپنے رسولؐ اور پیغمبرؐ کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ جائز نہیں بتلایا کہ وہ سختی اور جبر و اکراہ سے دین حق کو منوانے کی کوشش کریں تو پھر دوسرے کسی کے لئے بھی یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

جہاں تک کسی گناہ اور برے عمل کی بنا پر کسی ایسے مسلمان کی تکفیر اور اس کو کافر کہنے کا تعلق ہے جو پانچ ایمانی عقائد رکھتا اور پانچ ارکان اسلام کو مانتا ہو اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ پڑھتا ہو تو اس کی نہایت واضح الفاظ میں ممانعت مذکورہ بالا حدیث نبوی میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ طرز عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کا سرسری اور معمولی علم رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ عہد رسالت مآب میں منافقین کے نام سے لوگوں کا ایسا گروہ موجود تھا جس نے کلمہ پڑھ کر ظاہری طور پر اسلام قبول کیا لیکن باطنی طور پر درپردہ وہ کافر تھا۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ان کی حقیقت کو آشکار و منکشف کیا گیا ـــــ مثال کے طور پر ایک آیت ملاحظہ ہو :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (البقرہ : ۸)

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لائے لیکن حقیقت میں وہ ایمان لانے والے نہیں۔"

اور پھر اس آیت کے بعد سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع میں تفصیل کے ساتھ ان کے حالات کا مذمت کے پیرائے میں ذکر ہے' بلکہ قرآن مجید میں سورۃ المنافقون کے نام سے پوری سورت موجود ہے جس کا آغاز بایں طور ہوتا ہے :

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۘ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

"(اے پیغمبر) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی و شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ یقیناً اس کے سچے رسول ہیں۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں"۔ (یہ جو بات زبان سے کہہ رہے ہیں ان کے دل اس سے انکاری ہیں۔ وہ آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے)۔

غرض متعدد قرآنی آیات کے مطابق ان کا کافر ہونا یقینی تھا' لیکن ان کے ظاہری اسلام کی وجہ سے ان کو کافر قرار دے کر مسلم جماعت سے الگ نہیں کیا گیا' نیز ان خصوصی مراعات سے ان کو محروم نہیں ٹھہرایا گیا جو کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ بحیثیت مسلمان کے جو احکام دوسرے مسلمانوں کے لئے تھے وہی ان کے لئے بھی تھے۔ اسی طرح کتب حدیث میں کسی صحابی کے متعلق بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے کسی کلمہ گو مسلمان کی اس کے کسی ذنب و گناہ کی بنا پر تکفیر کی ہو خواہ وہ گناہ کتنا ہی بڑا اور کبیرہ کیوں نہ ہو۔ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جنگ جمل و صفین کے نام سے مسلمانوں کے درمیان جو جنگیں ہوئیں وہ کفر و اسلام کے نام اور عنوان سے نہ تھیں بلکہ ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کرتے ہوئے کچھ دوسرے اجتماعی نوعیت کے اہم معاملات کو اسلام کے مطابق طے کرنے میں اجتہادی اختلاف رائے کی وجہ سے تھیں۔ ہر ایک اپنے علم و فہم کے مطابق اپنے موقف کو از روئے اسلام صحیح اور حق سمجھتا اور باور کرتا تھا' جبکہ

مقصد دونوں کا حق کی حمایت کرنا تھا۔ کسی نے ایک دوسرے کو نہ کافر کہا اور نہ ہی خارج از اسلام قرار دیا۔

عقائد و کلام کی بعض کتابوں میں بعض ائمہ سلف کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور صرف ایک وجہ ایمان و اسلام کی ہو تو ایمان و اسلام کی ایک وجہ کی بنا پر کفر کی ننانوے وجوہ میں ایسی تاویل کی جائے کہ وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج نہ ہونے پائے۔ لیکن بے حد افسوس ہے کہ اپنے زمانے کے کچھ علماء کا رویّہ اور وطیرہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ مطلب یہ کہ ایک شخص کے اندر ننانوے وجوہ ایمان و اسلام کی پائی جاتی اور ایک وجہ کفر کی ہوتی ہے تو اس ایک وجہ کی بنا پر ایمان کی ننانوے وجوہ کو نظر انداز کر کے اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے اور اس کو کار خیر اور موجبِ اجر و ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اور پھر بعض نام نہاد مولوی و مفتی صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح فسخ ہو گیا اور اب وہ بدکاری میں مبتلا ہے اور حرامی اولاد کو جنم دے رہا ہے۔ گویا کہ اس کو وحی کے ذریعے اللہ نے بتلا دیا ہے کہ تیرے کہنے سے فلاں شخص یا فلاں فرقہ واقعتاً اور حقیقتاً کافر ہو گیا ہے' لہٰذا اس کے ساتھ کافروں کا سا سلوک کیا جائے' کیونکہ حقیقی کفر کا تعلق انسان کے جس قلب و دل سے ہے اس کا علم تو سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا' جیسا کہ پہلے بھی قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا ہے۔

پھر چونکہ کسی شخص یا فرقے کی تکفیر کے معنیٰ ہیں کفر کی طرف اس کا انتساب' لہٰذا اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ کافر ہو گیا' جس طرح کسی کی تجہیل و تحمیق سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جاہل اور احمق بن گیا۔ لہٰذا ایسا سمجھنا کہ اس کے ساتھ جاہلوں اور احمقوں کا سا سلوک کیا جائے نہ دین کی روح سے صحیح ہو سکتا ہے اور نہ ہی عقل و دانش کی رو سے درست ہو سکتا ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کے اندر فرقوں اور ان کے درمیان مختلف قسم کے اعتقادی' فکری اور عملی اختلافات کا تعلق ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ اختلاف پہلی صدی ہجری میں شروع ہوا اور مختلف افکار و نظریات کی بنا پر مختلف ناموں سے فرقے وجود میں آتے چلے

گئے' جیسے خوارج' روافض' مرجیہ' قدریہ' معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ۔ لیکن چونکہ بنیادی ایمانی عقائد اور ارکان اسلام کو کسی نہ کسی صورت سب مانتے تھے لہٰذا کسی نے کسی کی نہ تکفیر کی اور نہ دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ چنانچہ متقدمین علماء سلف نے فرقوں پر جو کتابیں لکھیں ان میں سب فرقوں کو مسلم قرار دیا اور ان کے عقائد و افکار پر بحث و تحقیق کی روشنی ڈالی البتہ بعض کتابوں میں ان کو فرقہ ضالّہ یعنی گمراہ اور بھٹکے ہوئے فرقوں سے تعبیر کیا۔ شیخ ابوالحسن الاشعری نے اس طرح کی جو کتاب لکھی اس کا نام "مقالات الاسلامین" رکھا جو اس کتاب میں درج فرقوں کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس موضوع پر مختلف ادوار میں مختلف کتابیں لکھی گئیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ عہدِ حاضر کے ایک مصری عالم شیخ ابو زہرہ کی اس موضوع پر عام فہم اور عمدہ کتابیں ہیں جن میں ان سب فرقوں کو مسلم تسلیم کرتے ہوئے ان کے عقائد و افکار کو واضح کیا گیا ہے۔

بہرحال جہاں تک فرقوں اور جماعتوں کی اجتماعی تکفیر کا تعلق ہے تاریخ اسلام میں اس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ البتہ اِکّا دُکّا اشخاص کی انفرادی تکفیر کی کچھ مثالیں ضرور ملتی ہیں اور جو زیادہ تر ایسے اشخاص سے متعلق ہیں جو علم و عرفان کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے اور اصلاح کی خاطر اپنے زمانے کے علماء و مشائخ کی غلط فہمیوں اور غلط کاریوں پر کھل کر تنقید کی اور اسلام کے نام پر ان کے اندر جو غیر اسلامی امور رائج تھے ان کو واشگاف اور اجاگر کیا۔ اس کا نتیجہ اور ردِّ عمل علماء و مشائخ کی طرف سے جو سامنے آیا وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطیوں اور غلط فہمیوں کی اصلاح کرتے ان مصلحین حضرات کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے' بالکل جھوٹی اور من گھڑت باتیں ان کی طرف منسوب کر کے عامتہ الناس میں ان کو بدنام کرنے کی مذموم کوششیں کیں' یہاں تک کہ کچھ نام نہاد علماء و فقہاء نے کفر کے فتوے بھی داغ دیئے۔ اسی طرح کچھ ایسے اشخاص کو بھی کفر کا نشانہ بنایا گیا جنہوں نے اپنی اعلیٰ سوچ اور تفکیر اور گہری تحقیق کی بنا پر دین کے حوالے سے کچھ ایسی نئی باتیں فرمائیں اور ایسے افکار و نظریات پیش کئے جو وقت کے عام علماء کی ذہنی اور علمی سطح سے اونچے اور بلند تھے اور جن کے متعلق یہ سمجھا گیا کہ اگر ان کو صحیح تسلیم کر لیا گیا تو اس کے نتیجے میں ان کو اپنے بہت سے خیالات سے دستبردار ہونا پڑے

گا جس سے ان کی حیثیتِ عرفی کو دھچکا لگے اور نقصان پہنچے گا اور عوام ان سے بدظن ہو جائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے نئی تحقیقات پیش کرنے والوں کے خلاف جو حربے استعمال کئے ان میں سے ایک حربہ ان کو کافر کہنے کا بھی تھا۔ بعض دفعہ ایسے حضرات کے لئے ملحد و زندیق کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے۔

برِعظیم پاک و ہند میں مختلف جماعتوں اور فرقوں کے درمیان اجتماعی تکفیر کا فتنہ جس شدت اور کثرت کے ساتھ پھیلا دوسرے کسی ملک کے مسلمانوں کے اندر اس کی مثال نہیں ملتی' اور یہاں بھی خاص طور پر اور زیادہ تر انگریزی دور حکومت میں پھیلا اور پھولا پھلا جس کی سیاسی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" عام طور پر مشہور ہے۔ اور پھر یہاں باہمی کفربازی اور کفرسازی ایسی شکل میں فروغ پذیر ہوئی جس میں علم کم اور جہل زیادہ تھا۔ بعض علماء کی کتابوں کی بعض عبارتوں کو اپنے سیاق و سباق سے الگ کر کے اپنے پاس سے ان کو ایسے معنیٰ پہنائے گئے اور ان کا ایسا مطلب تجویز کیا گیا جس کی نفی اور تردید خود اسی کتاب کی متعدد عبارتوں میں موجود تھی تاکہ اس عبارت کی وجہ سے صاحب کتاب پر کفر کا فتویٰ لگایا جا سکے اور پھر جس مطلب کی بنا پر فتویٰ تجویز کیا گیا وہ مطلب قرآن و حدیث کی رو سے ہرگز ایسا نہ تھا کہ اس کی بنا پر کسی مسلمان کی تکفیر کی جاتی' کیونکہ خواہ کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ ہو اس کی وجہ سے ایمانی عقائد رکھنے اور ارکان اسلام کو ماننے والے کی تکفیر کرنا جہاں مذکورہ ارشاد نبوی کی صحیح خلاف ورزی ہے وہاں عقل سلیم اور عدل و انصاف کے بھی سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس میں کفر کی ایک وجہ کی بنا پر ایمان و اسلام کی بکثرت وجوہ کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے جو ظلم کی ایک خاص شکل ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کے درمیان باہمی تکفیر کا عمل آپس کے اختلافات و نزاعات کا باعث اور موجب بنتا ہے لہٰذا فساد فی الارض کی تعریف میں آتا ہے جس کو قرآن مجید میں ناحق قتل جیسا جرم بتلایا گیا ہے' اور امن و امان کا قیام اور بدامنی پیدا کرنے والے جرائم کا انسداد ایک صحیح اسلامی حکومت کا منصبی فریضہ ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث کی رو سے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ تکفیر کے عمل پر سخت پابندی لگائے اور اس کا

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲)

ڈاکٹر ابو معاذ

ساسانی عہد اور ایران

خالص آریائی نسل کے بادشاہ اردشیر نے ۲۲۴ء میں اقتدار پر ایک بار آریائی ایرانیوں کا قبضہ مستحکم کرتے ہوئے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور آہستہ آہستہ قوم پرست ایرانیوں کی مدد سے خلیج فارس سے بلخ (شمالی افغانستان) تک قابض ہو گیا۔ اس کی بڑھتی ہوئی قوت کے سامنے ساحل مکران اور بلوچستان کے دیگر علاقوں کے حکمرانوں نے بھی اس کی اطاعت قبول کرتے ہوئے باج و خراج ادا کرنا شروع کر دیا۔ ایران ایک بار پھر جوبن پہ آگیا' اس کی عظمت رفتہ بحال ہو گئی' فوج منظم ہونے لگی اور قومیت اور مذہب زرتشت کا ہر جگہ غلبہ ہو گیا۔ جلد ہی اردشیر نے رومی سلطنت کے حلیف سرحدی ملک آرمینیا پر حملہ کر دیا اور پھر رومی سلطنت کے ایک صوبے یعنی عراق پر حملہ کر دیا۔ رومیوں کی جانب سے الیگزینڈر نے ۲۳۱ء میں مقابلہ کی ٹھانی مگر ایرانیوں کی یورش کے سامنے رومی نہ ٹھہر سکے۔ اگلے چار سو برس رومیوں اور ایرانیوں کے مابین اکثر جنگیں ہوتی رہیں۔

مرکز میں مستحکم دفتری نظم و نسق قائم ہوا' شہنشاہ رعایا سے الگ تھلگ رہتا تھا اور اس کے حضور باریابی حاصل کرنے والے لوگ خاص پروٹوکول کا خیال رکھتے تھے۔ جاگیرداری اور اشرافیہ کا نظام بحال ہوا' بھاری بھرکم ہتھیاروں سے لیس سوار شاہ کے ذاتی دستہ میں شامل کیے گئے اور ایک مرکزی رائل آرمی (شاہی فوج) قائم ہوئی جس کی اساس شاہ کی ذات اور تاج و تخت سے وفاداری پر تھی۔

شہنشاہ کی زیر سرپرستی ایک مربوط اور منظم مذہبی نظام (جو کلیسائی نظام سے مشابہ

تھا) قائم ہوا' جو ریاست کی حمایت کرتا تھا۔ درحقیقت یہ کلیسائی طرز کا نظام جو سلوکیوں اور اشکانیوں کے عہد میں زیر زمین تھا وہ کھل کر سامنے آگیا۔ ہخامنشی دور کا زرتشتی مذہب نئے جوش و خروش اور ولولہ کے ساتھ سامنے آیا۔ اھورا مزدا (یعنی خدائے برتر) کی پرستش کے ساتھ ساتھ کئی دیوی اور دیوتاؤں کی پرستش بھی شروع ہوگئی۔ روشنیوں کے مظاہر یعنی مہر (سورج) اور ناہید (زہرہ سیارہ) کی پرستش بھی شروع ہوگئی۔ مزدنیسا کا کلیسائی طرز کا نظام ایک سردار اعلیٰ کی قیادت میں قائم ہوا' جس کے ماتحت مختلف درجات کے مغ تھے جو زرتشتی مذہب کی تشریح کرتے تھے۔ علاوہ بریں آتش کدوں کے مجاور اور متولی بھی مقرر تھے۔ اس تحریف شدہ دین میں آتش مقدس کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ ہر فرقہ اور ہر شخص گھر میں مقدس آگ کے شعلے روشن رکھتا تھا۔ ریاست کے مختلف حصوں میں تین بڑے آتش کدے خاص اہمیت کے حامل تھے۔

زرتشت کی کتاب مقدس "اوستا" جو امتداد زمانہ کا شکار ہو چکی تھی' اس کی ایک بار پھر سے تدوین کا بیڑا اٹھایا گیا۔ کتاب مقدس کے "حفاظ" کو جمع کیا گیا اور ایک بار پھر اسے حیطۂ تحریر میں لایا جانے لگا۔ اردشیر ساسانی کے عہد میں ہی اس کی تدوین کا کام شروع ہوا اور شاہ پور اول کے دور میں جاری رہا۔ یہ کام شاہ پور دوم کے عہد میں پایہ تکمیل تک پہنچا۔

ابتداء میں دیگر مذاہب مثلاً یہودیت' عیسائیت اور بدھ مذہب کو سلطنت کے اطراف و اکناف میں پھلنے پھولنے کا موقع بھی عطا کیا گیا۔ ایران کے مغربی مفتوحات اور آرمینیا میں عیسائیت کو غلبہ نصیب ہوا اور خراسان میں بدھ مذہب کی اشاعت ہوئی۔

اسی عہد میں مانی کا ظہور ہوا۔ مانی نے رہبانیت کی تبلیغ کی۔ شادی بیاہ کی مخالفت اور تجرد کامل کی حمایت کی۔ اس نے ترک دنیا کا درس دیا اور مختلف تصاویر و تماثیل کے ذریعے اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فنکار آرٹسٹ تھا اور اس کی تصاویر کا مجموعہ ارژنگ یا ارتنگ کہلاتا تھا۔ غالب نے اپنی بابت کہا ہے ؎

فارسی بیں تا بہ بینی کاندر اقلیم خیال
مانی و ارژنگم و ایں نسخہ ارتنگِ من است

(میرے فارسی کلام کو پڑھ کر تو معلوم ہو گا کہ تصورات کی سرزمین کا میں ہی مانی ہوں اور میرا کلام مانی کا ارژنگ ہے)

سرزمین ایران سے نکل کر مانی نے کشمیر اور تبت کی غاروں کی راہ لی اور مختلف غاروں میں تصویر کشی کرتا رہا۔ کشمیر اور تبت کی غاروں میں ان کے آثار بھی ملتے ہیں۔ مانی اپنے زمانے میں درویشوں کا ایک گروہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ درویش ملک کے طول و عرض میں جوگیوں کے روپ میں پھرتے رہتے تھے اور لوگوں کو زہد و تجرد کی تلقین کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ زرتشتی کلیسا کے لئے ایک خطرہ بن کر سامنے آ گئے۔ بہرام اول ساسانی کے عہد حکومت میں مانی کو گرفتار کر لیا گیا اور مغوں کے سپرد کر دیا گیا جو اس کے ازلی دشمن تھے۔ انہوں نے بابل میں شہر کے دروازے پر اس کی زندہ حالت میں کھال کھنچوا کر ختم کر دیا۔

اسی طرح جب بازنطینی سلطنت نے عیسائیت اختیار کر لی تو ایرانیوں نے عیسائیوں کو رومیوں کے آلہ کار قرار دے کر شاہ پور دوم کے عہد بادشاہت میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ ان پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ عیسائیت کی تبلیغ ممنوع قرار پائی اور عیسائیوں کو قیصر روم کی رعایا سمجھ کر انہیں یا تو بزور زرتشتی بنا لیا گیا یا جلاوطن کیا جانے لگا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ایرانیوں نے ساسانی عہد میں مہر اور ناہید (سورج اور زہرہ) کی پرستش بھی شروع کر دی تھی۔ یہ مذہب ایشیائے کوچک اور آرمینیا میں بھی پھیل گیا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے رومی افواج وہاں مقیم رہیں اور ایرانی عقائد اپنا کر مہر پرستی اور ناہید پرستی اپنے ساتھ یورپ تک لے گئیں۔ ۳۱۷ء میں دریائے ڈینیوب کے کنارے ممتاز رومی سرداروں گلیرس اور لائی سینس نے مہر (سورج) کا ہیکل تعمیر کیا اور کہا کہ یہ دیوتا ہمارا محافظ ہے۔ علاوہ بریں تحریف شدہ زرتشتی عقائد یورپ میں بھی پہنچ گئے۔ یونانی فکر میں نیکی و بدی یزدان اور اہرمن کی دوئی (ثنویت) اور ان کے مابین ازلی کشمکش کے تذکرے شامل ہو گئے' اسی طرح ناہید مغرب میں افرودیت (Aphrodite) دیوی کی صورت میں قبول کر لی گئی۔

یہاں یہ امر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناہید دیوی اور مہر دیوتا کی بابت عروج عقائد کا

کسی حد تک ذکر کر لیا جائے۔

ناہید کی قدیم صورت "اناہیتہ" ہے، جس کے معنی بے عیب ہیں۔ یہ دیوی زرخیزی کی علامت سمجھی جاتی تھی اور کاشتکاری کی فراوانی اس سے منسوب کی جاتی ہے۔ کاشتکاری کے باعث جب دولت اور ثروت جمع ہوتی تھی تو عیش و عشرت اور نشاط و انبساط کی جانب میلان ہوتا تھا۔ اسی لئے بعد میں ناہید دیوی سے عشق و محبت اور حسن و جمال کی خوبیاں وابستہ کر دی گئیں۔ اس کے عربی نام زہرہ سے بھی اسی قسم کے تصورات وابستہ ہیں۔ ہاروت و ماروت کے افسانے بھی اسی سے منسوب ہیں۔ انگریزی میں اس کی صورت وینس (Venus) ہے۔ ہوس پرستی اس سے منسوب ہے۔ انگریزی کلمہ "Venial" ہوس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قدیم ایران میں اس دیوی کی پرستش بڑے زور و شور سے ہوتی تھی۔ بغداد کے قریب بہاڑ کی چوٹی پر اس دیوی کا مندر تھا۔ بغ سے مراد دیوتا ہے اور داد کے معنی عطیہ کے ہیں۔ اس طرح بغ داد کے معنی ہیں "دیوتا کا عطیہ"۔ بغ اور فغ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ سنسکرت میں بغ کا کلمہ بھگ کی صورت اختیار کر گیا اور بھگوان اور بھگتی اسی سے مشتق ہیں۔ ایران کا مشہور پہاڑ بے ستون جو فرہاد سے منسوب ہے پہلے پہل بغستان کہلاتا تھا جس کے معنی تھے آستانۂ خدا۔ رقص و سرود اور موسیقی بھی ناہید سے وابستہ تھے۔ مومن نے کہا ہے ؎

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

قصص القرآن میں صدر الدین بلاغی نے "عزّیٰ" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں اس بت کی ہیکل کو حرم کعبہ کے برابر احترام دیا جاتا تھا۔ اسی بت کو کلدانی لوگ بلتی اور عشتار کہہ کر پوجتے تھے۔ ارامی اسے عتیرا کہتے تھے۔ فرمان روائے بابل کے زمانے میں یہ ستارۂ صبح (ناہید یا زہرہ) سے منسوب تھا۔

ساسانی سلطنت کے بانی اردشیر کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کا دادا ساسان اصطخر میں ناہید کے مندر کا پروہت یا متولی تھا۔ اس مندر کی سرداری اردشیر کو ورثے میں ملی تھی۔

چونکہ ان ایام میں ناہید دیوی کی پرستش عروج پر تھی اس لئے قوم پرستی یعنی ایرانیت کی تحریک کا مرکز یہی مندر تھا' جہاں پر پجاریوں نے تحریف شدہ زرتشتی مذہب کے پجاریوں میں اشکانیوں کے خلاف نفرت کے بیج بو کر ساسانی سلطنت کے قیام کی راہ ہموار کی۔

اب ہم مہردیوتا کی جانب چلتے ہیں۔ ایران کے علاوہ اس کے مقبوضات عراق اور مصر میں بھی سورج کی چمک کے ساتھ زرخیزی کا تصور وابستہ تھا' اسے میترا میثرہ' متھرہ اور مہر بھی کہا جاتا تھا۔ شروع میں متھرا یا مہر (سورج) اھورامزدا کی ایک خوبیوں میں سے ایک تھا' بعد میں یہ تصور ایک مستقل دیوتا کی صورت اختیار کر گیا۔ آج بھی ایرانی تقویم (کیلنڈر) میں ایک مہینہ مہرماہ کے نام سے منسوب ہے۔ اسی طرح مہرداد ایک ایسا نام ہے جو پاکستان کے دیہات تک میں پایا جاتا تھا اور لوگوں کو کم ہی معلوم ہو گا کہ یہ شرکیہ نام ہے۔ اسلامی انقلاب سے قبل ایران کے قومی نشان کے طور پر شیر کے ساتھ خورشید (مہر) کا نشان موجود تھا اور ایران کے پرچم پر بھی یہ نشان موجود تھا۔

اسی دوران روم میں عیسائیوں کے ایک فرقہ نے عقائدی اختلافات کے باعث اپنے وطن سے نکل کر ایران کی راہ لی۔ اس عقیدہ کا بانی نسطوریس تھا اور اس کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نہیں ہیں اور نہ ہی حضرت مریمؑ خدا کی بیوی ہیں۔ نسطوریس اپنے ساتھیوں سمیت نوشیروان کے ابتدائی عہد میں ایران میں آ گیا اور اس کے پیروکاروں کو پوری عزت و اکرام کے ساتھ خوزستان میں آباد کیا گیا۔ ان لوگوں نے جندی شاپور کے نام سے ایک یونیورسٹی ٹاؤن کی بنیاد رکھی' جہاں فلسفہ' طب اور تاریخ و ادب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وہاں سے فارغ التحصیل لوگ دور دور تک پھیل گئے' حتیٰ کہ مشرکین مکہ میں بھی ایک ایسے شخص کا سراغ ملتا ہے جو اسلام کی تضحیک کیا کرتا تھا' اسے فتح مکہ کے موقع پر قتل کرنے کا حکم صادر کیا گیا تھا۔ وہ قرآنی حکایات کو ایرانی اساطیر سے حقیر قرار دے کر قرآن کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ الغرض جندی شاپور کی یونیورسٹی عباسی دور تک قائم رہی اور اس کے اکثر اساتذہ نے عیسائیت کو ترک نہیں کیا۔ جب عباسی دور میں علوم و فنون کی قدر دانی ہوئی تو یہ مقام مشرق و مغرب کے سنگم کی حیثیت اختیار کر گیا اور یہیں کے اساتذہ نے اہم کتب کا عربی ترجمہ کر کے علوم کے فروغ اور مسلمانوں کی علمی کاوش

میں اہم رول ادا کیا۔ ان نسطوری عیسائیوں کے کلیسا خراسان و خوارزم تک میں موجود تھے۔

اسی طرح کچھ نہ کچھ یہودی ایران میں ہر دور میں موجود رہے ہیں اور یہودیوں سے ساسانیوں کے تعلقات میں ماسوائے چند مواقع کے گرمجوشی پائی جاتی رہی ہے۔ بازنطینی اور ساسانی جنگوں میں جب بھی یہودیوں کے خطے ایرانیوں کے قبضے میں آئے تو یہودی نسبتاً سکھ کا سانس لیتے رہے۔ جیسا کہ ہخامنشی دور کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ کوروش اعظم کے زمانہ میں یہودی بابل میں موجود تھے اور وہاں سے انہیں بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کے بعد وہاں آباد کیا گیا تھا' لیکن یہودیوں کی ایک بڑی تعداد بابل میں موجود رہی اور یہیں سے یہودی ایران میں داخل ہو کر مختلف مقامات پر پوری آزادی کے ساتھ آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے فارسی زبان اپنالی اور مختلف کاروانوں کے ہمراہ مشرقی نقاط کی جانب اپنے سفر اور قیام کی وجہ سے اپنے ہمراہ فارسی زبان کے اثرات لے گئے۔ فارسی میں یہودی تحریروں کے آثار افغانستان' چینی صوبہ زنجیانگ' ہندوستان کے ساحل ملیبار اور وسطی ایشیاء میں ملتے ہیں (مزید تفصیل کے لئے فرہنگ ایران مبین جلد ۲۰ مطبوعہ تہران ۱۹۷۵ء میں موجود والٹرجے منکل کے مضمون "فارسی یہودیوں کی ایرانی تہذیب و ادب کے لئے خدمات" کا مطالعہ ضروری ہے) ہرچند کہ علمی اور فکری اعتبار سے یہودی ایران میں الگ تھگ رہے اور ایک محتاط اقلیت کے طور پر اپنے افکار کی اشاعت میں زیر زمین ہی رہے مگر پھر بھی زمانہ بعد از اسلام میں مختلف ادوار میں ان کے اثرات واضح طور محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ اس کا ذکر بعد کے صفحات میں قدرے تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

اب ہم ایک خالصتاً ایرانی مذہب مزدکیت کی جانب آتے ہیں۔ پانچویں صدی عیسوی کا یہ مذہب خالصتاً ایرانی الاصل تھا اور اشتراکیت کے نظام پر مبنی تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ساسانی بادشاہت نے جاگیردارانہ اور طبقہ وارانہ نظام کی حوصلہ افزائی کر کے ملک کے باشندوں کو سماجی اور معاشی اعتبار سے طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اور مختلف طبقات آپس میں برسرپیکار تھے اور کمزور و مستضعفین اپنے حقوق کے لئے خود آگاہی کے عمل سے گزر رہے تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں قباد ساسانی کے دور میں مزدک کو فروغ

حاصل ہوا۔ اس نے شاہی گوداموں کو لوٹ لیا اور دولت میں اشتراک اور غرضیکہ ہر قسم کی اشیائے ضرورت میں اشتراک کے فلسفے کی ترویج کی۔ قباد ساسانی نے اس کا مذہب قبول کرلیا اور کچھ عرصہ کے لئے ایران اشتراکیت کے سائے میں چلا گیا۔ جلد ہی زرتشتی مذہب کے مبلغین نے اپنے آپ کو دوبارہ منظم کرلیا اور پھر شہزادہ منشر (جو بعد میں نوشیروان کے خطاب سے مشہور ہوا) کی مدد سے مزدک اور اس کے پیروکاروں کا مربوط فوجی ایکشن کے ذریعے صفایا کردیا۔ اس کے کچھ پیروکار شام اور یونان بھاگ گئے اور کچھ عرصہ کے لئے شام اور یونان میں یہ مذہب زندہ رہا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے مانی کے مذہب کی بھی پہلے پہل سرکاری سطح پر سرپرستی کی گئی اور بعد میں اسے ختم کردیا گیا تھا۔ مانی کے پیروکار کچھ عرصہ کے لئے ایران سے باہر اپنا مذہبی تشخص قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ ۲۷۷ء تک مانی کے عقائد بازنطینی رومی سلطنت تک پہنچ گئے تھے' پھر یہ عقائد شمالی افریقہ پہنچے۔ اس مذہب کے ایک راسخ العقیدہ مبلغ سینٹ آگسٹین (Saint Augustine) نے بہت شہرت پائی۔ قسطنطنیہ میں عیسائیت اور مانویت کے مابین مناظروں کا سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ مانویت کی تعلیمات میں موجود رہبانیت بعد میں عیسائیت حتیٰ کے اسلامی تصوف میں بھی نظر آتی رہی ہے۔ تاہم مزدکیت کو وہ فروغ حاصل نہ ہوسکا جو مانویت کے حصے میں آیا تھا۔ البتہ بعد کے اشتراکی نظریات میں اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے کارل مارکس کو روح مزدک کا بروز قرار دیتے ہوئے اشتراکیت کو مزدکیت کی ایک صورت قرار دیا ہے۔ ارمغان حجاز میں آپ نے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں ابلیس کے پانچویں مشیر کی زبانی اشتراکیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہلوایا ہے ؎

وہ یہودی فتنہ گر' وہ روحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرخ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

علامہ اقبال کی نگاہ دوربین اس سے بہت آگے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کا جواب ابلیس کی زبان سے یوں دلواتے ہیں ؎

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار آشفتہ مغز آشفتہ مُو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

ساسانی عہد میں بازنطینی عیسائیوں سے خوفناک جنگوں کا ایک طویل سلسلہ بھی جاری رہا۔ قسطنطنیہ کے بازنطینی حکمران اپنی سرحدوں کے قریب ایرانی خطرہ سے لاعلم نہیں تھے۔ ان کے عیسائیت کے سرپرست ہونے کے باعث ایران نے اپنی عیسائی آبادی کو رومیوں کا وفادار سمجھ کر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تھا اور ان کو ملک سے نکال باہر کیا تھا۔ ۴۲۱ء میں عیسائی جب ایران سے بھاگ کر بازنطینی سلطنت میں پناہ گزین ہوئے تو ان کے تعاقب میں آنے والی ایرانی افواج کا مقابلہ رومی لشکروں سے ہوا اور یہ جنگ ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی۔ اور پھر ایک صدی تک یہ دونوں بڑی سلطنتیں اپنے اپنے علاقوں تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ ایک صدی کے بعد ایرانیوں نے ۶۲۷ء میں پھر ایک بار رومیوں کو للکارا اور ان کے مشرقی صوبوں پر قابض ہو گئے۔ ۶۳۲ء میں دارا کے مقام پر ایرانیوں کو پہلی

مرتبہ بیلی ساریوس کے لشکر کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس کے نتیجہ میں قیصر روم جسٹینین اور ایرانی شہنشاہ خسرو اول کے درمیان دوستی کا معاہدہ ہوا۔ یہ صلح زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ ۵۴۰ء میں ایرانی انطاکیہ (موجودہ شام کا شہر) پر چڑھ دوڑے اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ شام و فلسطین اور بحیرۂ روم کے ایشیائی ساحل تک قبضہ کے بعد ایرانیوں نے اپنی شرائط پر صلح کر کے شمال کی جانب توجہ دی۔ شمال میں کوہ قاف (قفقاز) کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھی۔ یہ پہاڑی ریاستیں ہمیشہ سے آزادی کی متوالی رہی ہیں اور موجودہ چیچنیا اور داغستان کی طرح ان کی وادیوں میں کسی بھی حملہ آور کا نفوذ ایک مشکل امر رہا ہے۔ ایرانیوں نے ان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور انہیں زیر اثر لانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ امر بازنطینیوں کو گراں گزرا اور ایک بار پھر دونوں سلطنتوں میں ٹھن گئی۔ ۵۷۵ء میں ایرانیوں کے بازنطینیوں کو شکست سے دوچار کیا اور اگلے برس بازنطینی رومی غالب رہے۔ ۵۹۱ء میں صلح کا ایک اور معاہدہ مرتب ہوا۔

ایران پہ طویل عرصہ حکومت کرنے کے بعد نوشیروان (۵۳۱ء-۵۷۹ء) کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور کچھ عرصہ کی اندرونی کشمکش کے بعد خسرو پرویز (دوم) برسر اقتدار تھا۔ ۶۰۲ء میں اس نے موقع پاتے ہی رومیوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ ۶۱۱ء میں انطاکیہ اور ۶۱۲ء میں دمشق پر اور بعد ازاں بحیرۂ روم کے جزائر اور خاص طور پر قبرص پہ قبضہ کے بعد ۶۱۴ء میں انہوں نے مصر پہ قبضہ کر لیا۔ ادھر یمن پر ایرانی قبضہ کے بعد بحیرۂ احمر عبور کرنے کے بعد ایرانی سپاہ حبشہ تک بھی جا پہنچی۔ حبشہ پر عیسائی سلطنت قائم تھی۔ ایرانی جلد ہی وہاں سے واپس لوٹ آئے۔ ابرہہ، جس نے خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کے لئے (اصحاب الفیل کا) ایک لشکر بھجوایا تھا، وہ بھی ایرانی سلطنت کا باجگزار معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں خسرو پرویز کے زمانہ میں یمن پر باذان کو گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب شام و عراق و یمن پہ قبضہ کے بعد جزیرہ نمائے عرب پہ ایرانی اپنا اقتدار محسوس کرتے تھے مگر وہاں کے قبائل کو قریباً قریباً وہی خود مختاری حاصل تھی جس کا تصور ہمارے قبائلی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ مشرکین مکہ خسرو پرویز اور ساسانی حکمرانوں سے ہمدردی کا اظہار ضرور کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ جو ملک شام اور فلسطین سے قریب تر تھا اور نسبتاً

متمدن علاقے کے اثرات اس شہر پر غالب تھے اس پر ایرانی ساسانی اثرات کے نقوش نسبتاً زیادہ واضح تھے۔ یہودیوں کی مدینہ منورہ میں موجودگی بھی ایرانیوں سے قریبی روابط کی غماز تھی۔ ایرانی عیدیں نوروز اور مہرگان مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے پورے جوش و خروش سے منائی جاتی تھیں۔ اس کا نسبتاً مفصل ذکر بعد میں آئے گا۔

مصر پر ایرانی قبضہ کے بعد اور بحیرۂ روم کے جزائر پر تسلط کے بعد رومی سلطنت کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ مصر سے رسد و رسائل کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد رومی سخت پریشانی سے دوچار تھے۔ علاوہ بریں بیت المقدس پر قبضہ کے دوران خسرو پرویز کی افواج نے عیسائی معبدوں کو زبردست نقصان پہنچایا تھا اور صلیب مقدس بھی اٹھا کر لے گئے تھے اس مذہبی بے حرمتی نے عیسائی دنیا میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی تھی۔ پر اعتماد ایرانی ساسانی افواج اب ایشیائے کوچک کی جانب بڑھیں اور قسطنطنیہ کے بالکل سامنے ایشیائی ساحل پر سقوطری کے مقام پر قابض ہو گئیں اور یوں محسوس ہونے لگا کہ اب ایرانی افواج بازنطینی افواج کو روندتی ہوئی یورپ میں داخل ہو جائیں گی۔ ایرانیوں کی پے درپے فتوحات پر قرآن کی وحی کا نزول سورۃ الروم کی صورت میں ہوا' اس کا ذکر ہم بعد کے صفحات کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

ان جنگوں کے عالمگیر اثرات مرتب ہوئے۔ جزیرہ نمائے عرب دونوں سلطنتوں میں ایک بفرزون کی حیثیت حاصل کر گیا۔ وہاں تجارت بدستور قائم رہی اور شام و یمن کے تجارتی راستوں کی اہمیت بڑھ گئی۔ ہرچند کہ قبائل اپنی عصبیتوں کے باعث باہم برسرپیکار رہتے تھے مگر باہر کے قافلوں سے چنداں تعرض نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح وہ خود بھی تجارتی سفروں میں خود کو زیادہ پر اعتماد محسوس کرتے تھے۔ شمال کی جانب شام کی سرحد پر جو ریاستیں بازنطینی سرحد پر موجود تھیں مثلاً غسانی ریاستیں ایرانی مصلحتاً ان سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ ایران میں موجود نسطوری عیسائیوں کے بھی سرحد پار اپنے بھائی بندوں سے روابط موجود تھے۔ سرزمین ایران میں بھی عیسائیوں کی چند آبادیاں موجود تھیں جنہیں اب ایرانی تنگ نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ریاست نما آبادی حیرہ کی بھی تھی۔

(جہاں بعد میں کوفہ کا شہر آباد ہوا)۔ یمن پر ایرانی اقتدار کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یمن ۵۷۰ء میں ایرانی سلطنت کا جزو بن چکا تھا' اس کے باوجود بحیرۂ احمر میں رومی جہاز رانی کرتے رہتے اور حبشہ کے عیسائیوں سے اپنے روابط قائم رکھے ہوئے تھے۔ اس طرح رومی اور ایرانی تجارت میں یمن اور حبشہ کو اہمیت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے شام کی تجارتی شاہراہ جو مکہ اور مدینہ کے قریب سے گزرتی تھی وہ ایک خاص اہمیت کی حامل تھی۔

ساسانی ایرانی افکار کے مرکز میں شہنشاہ کی ذات تھی۔ شہنشاہ کو دیوتا کا درجہ دیا جاتا ہے اور اس سے وفاداری' شاہی خون کی پاکیزگی' شاہ کی شخصیت کا سحر اور تقدس مسلمہ امر تھا۔ ہرچند کہ عیسائیت نے اس نظریہ کی نفی کی تھی لیکن یہ تصور کسی نہ کسی طرح ایران سے بازنطینی سلطنت میں مروج ہو گیا اور شاہ کو کلیسا کے سربراہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ مشرقی بادشاہت کے تصورات مغرب میں رائج ہو گئے۔ شاہی لباس' تخت و تاج بھی رومی سلطنت میں ایرانی سلطنت سے متعارف ہوئے۔ شہنشاہ اور شاہی خاندان کی عظمت کا تصور جو ایرانیت کے رگ و ریشے میں سمایا تھا اور زمانہ ماقبل اسلام اس کے مذہبی پہلو بھی تھے وہ ایرانی ذہن پر طویل عرصہ تک اثر انداز رہا اور اس کے خاتمے کے لئے صدیاں بیت گئیں۔

اسی زمانہ میں سفارت و تجارت' کاروانوں کے سفر جہاز رانی اور تہذیب و تمدن نے ترقی کی راہیں طے کیں۔ ایرانی بتدریج ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے۔ ان میں اعتماد' ذہنی وسعت' قانون سازی کا فن' فلسفہ' نقش و نگار' فن تعمیر اور حربی فنون متعارف ہو گئے۔

قدیم ایرانی عمارات میں (ماقبل اسلام) محرابیں ہوتی تھیں اور ان پر گنبد تعمیر کئے جاتے تھے۔ ان گنبدوں کے ارد گرد بند کمرے ہوتے تھے۔ دالان اور دیوڑھی کا تصور بھی تھا۔ اس طرح کی عمارات طفیفوں اور دوسرے کھنڈرات میں ملی ہیں۔ یہی فن تعمیر بعد میں مساجد و مقابر اور خانقاہوں حتی کہ قلعوں اور اسلامی دور کے محلات میں دیکھا جانے لگا۔

اس پرشکوہ ساسانی سلطنت میں فلسفے اور دیگر علوم نے بھی خوب ترقی کی۔ کئی

فلسفیوں نے ایران آکر فلسفہ سیکھنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ نوشیرواں بذات خود فلسفہ کا دلدادہ تھا۔ اس کے دربار میں حکماء کا اجتماع رہتا تھا۔ اس کا مشہور وزیر بزرگ مہر یا بزرجمہر (جسے برزویہ بھی کہا جاتا ہے) اپنے دور کا مشہور و معروف دانا تھا اور اب بھی سیاسی جغادروں کو اصطلاحاً بزرگ مہر یا بزرجمہر کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

جب رومی بادشاہ گارڈین نے ۲۴۲ء میں ایران پر فوج کشی کی تو اس کے مشہور درباری فلسفی فلاطینوس نے خواہش ظاہر کی کہ اسے بھی ساتھ لے جایا جائے تاکہ وہ ایران میں فلسفے کا مطالعہ کر سکے، لیکن یہ مہم ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ اس واقعہ کے قریباً تین سو برس بعد خسرو اول (نوشیرواں) نے حمص کے آرچ بشپ (اسقف) ہال سے فلسفہ کا علم حاصل کیا۔ نوشیرواں کی بابت لوگوں کا خیال تھا کہ ایران میں اس فلسفی بادشاہ کا ظہور ہو چکا ہے جس کا تصور افلاطون نے اپنی کتاب "جمہوریت" میں پیش کیا تھا۔ اسی زمانے میں قسطنطین نے ایتھنز کا فلسفے کا مدرسہ بند کر دیا تھا اور وہاں کے ساتوں عظیم فلسفی جنہیں کافر قرار دے دیا گیا تھا وہاں سے نکل کر اس امید میں ایران آگئے تھے کہ وہاں انہیں اس شاہ موعود سے ملاقات کا شرف حاصل ہو گا۔ لیکن بادشاہ سے ملاقات کے بعد انہیں مایوسی ہوئی کیونکہ وہ افلاطونی تصورات کے مطابق ثابت نہ ہو سکا۔ یہ لوگ واپس روم لوٹ گئے۔ ایک بات ضرور ہے کہ نوشیرواں علم و دانش کا شائق تھا اور اس نے ایران میں فلسفہ اور علوم کے فروغ میں بہت حصہ لیا تھا۔ جندی شاہ پور کی یونیورسٹی کا قیام اس کی علم دوستی کا بین ثبوت ہے۔ شیخ سعدی کے فلسفہ اخلاق میں بار بار نوشیرواں اور بزرجمہر کا ذکر ملتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں تک اس دور کے حکیمانہ نقوش فارسی ادب پر موجود تھے۔

۶۲۸ء میں خسرو پرویز کی معزولی اور موت کے بعد ایران اندرونی فتنوں کا شکار ہو کر رہ گیا اور تین چار برس کے پر آشوب دور کے بعد یزدگرد (سوم) برسر اقتدار آگیا (یہی سال رسول اللہ ﷺ کی رحلت کا سال ہے) اس نے ایران کے سنبھالنے کی کوشش کی مگر ساسانی سلطنت کی کمزوریاں اس پر حاوی ہو رہی تھیں۔ اہل مذہب (زرتشتی) عوام الناس کی کمائی کا اسی (۸۰) فیصد ظالمانہ ٹیکسوں کی صورت میں وصول کر کے آتش کدوں

کے شعلوں میں جھونک رہے تھے۔ طبقہ وارانہ نظام میں منافرت جڑ پکڑ چکی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اندرونی کمزوریاں صدیوں پرانی عظیم سلطنت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی تھیں۔ ۶۲۲ء (سال ہجرت نبویؐ) میں ہرقل کے ہاتھوں ایرانی شکست کے باعث سلطنت کے بحیرۂ روم کے ساحلی مقبوضات اور شام و فلسطین کا علاقہ ایرانیوں سے چھن چکا تھا۔ ۶۲۸ء سے لیکر ۶۳۲ء تک کی تاج و تخت کی کشمکش کے باعث شہنشاہ کی ذات کا طلسم و افسون ماند پڑ رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی بددعا کے باعث یہ سلطنت شکست و ریخت سے دوچار ہو چکی تھی۔ علاوہ بریں رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی شکست کی قرآنی پیشین گوئی بھی پوری ہو چکی تھی۔ علامہ اقبال اس موقع پر فرماتے ہیں ؎

پیریٔ ایراں زمانِ یزدجرد
چہرۂ او بے فروغ از خونِ سرد

(یزدگرد کے عہد میں ایران پہ بڑھاپا طاری ہو چکا تھا۔ رگوں میں خون جم جانے کے باعث اس کے چہرے کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔)

دین و آئین و نظامِ اُو کہن
شید و تار و صبح و شامِ اُو کہن

(اس کا دین، دستور اور نظام حکومت سب فرسودہ ہو چکے تھے۔ اس کے دن، راتیں، تاریکیاں اور روشنیاں سب پرانے ہو چکے تھے)

موج می در شیشۂ تاکش نبود
یک شرر در تودۂ خاکش نبود

(اس کے جام و مے میں شراب معنوی کی ایک بھی لہر نہ تھی۔ یہ مٹی کا ایک تودہ بن چکا تھا جس کی گہرائیوں میں ایک چنگاری بھی باقی نہیں بچی تھی۔)

تازہ صحرای رسیدش محشری
آں کہ داد او را حیاتِ دیگری

(اچانک صحرائی عرب سے اس پر قیامت نازل ہوئی اور اسی قیامت کے باعث اس کو ایک نئی زندگی مل گئی۔)

ایں چنیں حشر از عنایاتِ خداست
پارس باقی، رومتہ الکبریٰ کجاست

(اس طرح کی قیامت بھی خداوند تعالیٰ کی نعمت ہوتی ہے۔ آج فارس قائم و دائم ہے مگر رومتہ الکبریٰ کے آثار بھی محو ہو چکے ہیں۔)

مردِ صحرائی بہ ایراں جاں دمید
باز سوئے ریگزارِ خود دمید

(صحرا کے باسیوں نے ایران کو نئی زندگی عطا کی اور پھر وہ اپنے صحرا کی جانب واپس لوٹ گئے۔)

کہنہ را از لوحِ ما بسترد و رفت
برگ و سازِ عصرِ نو آورد و رفت

(تمام بوسیدہ اور پرانی تحریروں کو ہماری لوح سے مٹا کے چل دیئے اور ہمیں نئے زمانے میں زندگی گزارنے کا سامان مہیا کر گئے۔)

آہ احسان عرب شناختند
از تشِ افرنگیاں بگداختند

(بعد کے دور میں ایرانی انگریزوں اور امریکا کے فریفتہ ہونے لگے اور عرب کے احسانات کو فراموش کر بیٹھے)

نوٹ : یہ علامہ اقبال کے زمانے کے ایران کی بابت کہا گیا جس پر آپ نے افسوس کا اظہار فرمایا ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ : مسئلہ ایمان و کفر

ارتکاب کرنے والوں کے لئے سخت اور عبرتناک تعزیری سزا تجویز کرے۔ اس کے لئے تعزیری قوانین میں ایک نئے قانون کا اضافہ ہونا چاہئے اور چونکہ کسی مسلمان کی تکفیر کرنا کوئی دینی عمل نہیں بلکہ غیر دینی عمل ہے لہٰذا اس کے انسداد کے لئے قانون وضع کرنا اور نافذ کرنا ہرگز مداخلت فی الدین نہیں بلکہ حمایت دین ہے۔ مسلمان اراکین پارلیمنٹ کو اس قسم کا قانون منظور کرنے میں ہرگز کوئی ہچکچاہٹ اور تذبذب و تامل کی روش نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ بلاشبہ ایک نیک اور موجب اجر و ثواب عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے!

امربالمعروف ونہی عن المنکر کا ہدف

عدلِ اجتماعی

سورۃ النحل کی آیت ۹۰ کی روشنی میں

محمد رشید عمر، امیر تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب غربی

قرآن مجید میں امربالمعروف ونہی عن المنکر کا ذکر ایک وحدت کی صورت میں دس مقامات پر آیا ہے اور اس کو انبیاء و رسل کا فریضہ، ان کے اصحاب کی شان اور مسلمان اصحاب اقتدار کا کام اور اولین ذمہ داری شمار کیا گیا ہے۔ قوموں کی تباہی اور بربادی کے اسباب میں ایک بڑا سبب اسی فریضہ کی عدم ادائیگی ہے۔ امتِ مسلمہ کا فرض منصبی یہی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر امت مل جل کر امربالمعروف ونہی عن المنکر کے مقاصد حاصل کر بھی لے تو بھی اس میں سے ایک گروہ تو بالکل اس مقصد کے لئے ہو جو معاشرہ میں ہونے والی تبدیلیوں پر باز کی سی نگاہ رکھے اور اس بات کا جائزہ لے کہ آیا امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں یا نہیں۔ اور اگر کسی لمحے وہ دیکھے کہ معاشرہ میں کسی طرف سے کوئی کمزوری پیدا ہو رہی ہے تو اس کی اصلاح کے لئے اصحاب اقتدار کو مجبور کرے کہ وہ اس خرابی کا تدارک کریں۔

"معروف" کے معانی ہیں جانا پہچانا۔ دینی اصطلاح میں بھلائی کے وہ کام جن کی بھلائی اور خیر سے انسانی نفسیات اچھی طرح واقف ہے "معروف" کہلاتے ہیں۔ اسی طرح "المنکر" کے معانی غیر معروف کے ہیں۔ اصطلاحاً برائی کے وہ کام جن سے انسانی نفسیات واقف نہیں اور وہ ان سے متوحش ہوتی ہے "منکر" ہیں۔

بنیادی بھلائی کے وہ کون سے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ امن و سکون اور عدل و احترام کا مظہر بن جاتا ہے اور ان کو ترک کر کے معاشرہ تباہی کے کنارے پہنچ جاتا ہے؟

کون سی ایسی برائیاں ہیں جن میں پڑ کر تباہی آجاتی ہے اور معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے اور ان سے بچ کر بقا اور استحکام کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے؟ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے تحت معروف کی فہرست میں گنوائے گئے اوامر اور منکر کے تحت گنوائے گئے نواہی کی فہرست پر غور اس عقدے کو حل کر سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ نحل کی آیت مبارکہ :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (آیت : ۹۰)

"یقیناً اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا اور قرابت داروں کے حق ادا کرنے کا۔ اور روکتا ہے بے حیائی' برائی اور سرکشی سے۔ وہ تم کو سمجھاتا ہے تا کہ تم یاد رکھو!"

اس آیہ مبارکہ میں معروف کے ضمن میں تین کاموں کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱) عدل کرنے کا (۲) احسان کرنے کا (۳) قریبی عزیزوں کے حقوق کی ادائیگی کا ـــــ اور منکر کے ضمن میں بھی تین ہی باتوں سے روکا گیا ہے : (۱) بے حیائی سے (۲) برائی سے (۳) بغاوت اور سرکشی سے۔

سورۂ نحل مکی سورۃ ہے۔ مکی زندگی میں معاشرہ کے اندر عدل و انصاف اور انسانی حقوق کی پامالی' خود غرضی' بے حیائی' عریانی' شراب نوشی' بے ہودگی غرضیکہ معاشرہ کی شتر بے مہار کی سی کیفیت کے دوران اللہ کے ان اوامر و نواہی کا اعلان ہی سلیم الفطرت دلوں کو فتح کرنے کا ذریعہ بن رہا تھا' جبکہ بغاوت سے باز نہ آنے والوں کو اس پیغام میں پوشیدہ پروگرام سمجھ آرہا تھا کہ سراسر عدل کی پکار کی زد ان کی چودھراہٹوں پر ہے۔ "لا الٰہ الا اللہ" کے سادہ سے الفاظ پر مبنی دعوت کے پیچھے انقلابی نظام زندگی ان کو نظر آرہا تھا۔ نبی کریم ﷺ افرد سے آگے بڑھ کر قبائل کے سامنے یہ پروگرام رکھ رہے تھے۔ الرحیق المختوم میں یہ واقعہ درج ہے۔

عامر بن صعصعہ کے لوگوں کو آپ نے دعوت پیش کی تو جواب میں ان کے ایک آدمی بحیرہ بن فراس نے کہا "خدا کی قسم اگر میں قریش کے اس جوان کو لے لوں تو اس کے

ذریعے پورے عرب کو کھا جاؤں گا"۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ "اچھا یہ بتائیے' اگر ہم آپ (ﷺ) سے آپ کے اس دین پر بیعت کرلیں' پھر اللہ آپ کو مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو کیا آپ کے بعد زمام کار ہمارے ہاتھ میں ہوگی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "زمامِ کار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے' جہاں چاہے گا رکھے گا۔" اس پر اس شخص نے کہا "خوب! آپ کی حفاظت میں تو ہمارا سینہ اہل عرب کے نشانے پر رہے' لیکن جب اللہ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو زمام کار کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ ہمیں آپ کے دین کی ضرورت نہیں"۔ غرض انہوں نے انکار کردیا۔

معاشرتی بے راہ روی کے اس دور میں یہ قرآن عظیم ہی تھا جس کی آیات میں پورے عرب پر چھا جانے والا پروگرام جھلک رہا تھا۔ آخر نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی انسانیت کو تباہی سے بچانا ہی تو تھا۔ اس حالت میں بچنے اور بقا کا جو فارمولا دیا جارہا تھا وہ یہی تو تھا کہ اللہ حکم دے رہا ہے : ۱) عدل کرنے کا' ۲) احسان کرنے کا' ۳) قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا' اور روک رہا ہے: (۱) بے حیائی سے' (۲) برائی سے (۳) اور بغاوت اور سرکشی سے۔ ترتیب وار ان نکات پر غور کیجئے۔ عدل و انصاف کثیر الاستعمال الفاظ میں سے ہیں۔ لیکن عدل کا لفظ انصاف سے الگ اور وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ انصاف کا مطلب مساوات ہے' جبکہ عدل کا مفہوم یہ ہے کہ جو جس کا حق اور مقام ہے وہ اسے دیا جائے۔ عدل سے انسانی نفسیات میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ عدل کے معاملے کو اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں لے آیئے۔ انتظامی معاملات ہیں۔ عدالتی نظام ہے۔ تعلیم اور تحقیق کے شعبے ہیں۔ ان کے صحیح رخ پر چلنے اور معاشرہ میں امن و سکون کے لئے ممد اور مفید ہونے کا انحصار اس پر ہے کہ ہر جگہ عدل کی روح کار فرما ہو۔

احسان عدل سے اگلا قدم ہے۔ عدل کا مطلب اگر حقوق کی پوری پوری ادائیگی ہے تو احسان کی حالت اس سے زیادہ کا تقاضا کرتی ہے۔ حقوق کی ادائیگی میں ایثار اور قربانی کی روح شامل ہوگی تو وہ احسان ہوگا۔ معاشرتی زندگی میں اس کا ظہور کیسے ہوتا ہے؟ اگر آپ تاجر ہیں تو نہ صرف پورا ناپنا بلکہ ناپ سے زیادہ دینا' نمونہ سے زیادہ بہتر مال مہیا

کرنا، قرض اور لین دین میں نرمی اور جائز منافع لینا احسان ہوگا۔ جبکہ ملاوٹ، منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، اصل کی بجائے نقلی مال دینا، جھوٹ اور بد عہدی ایک برعکس طرز عمل کی تصویر ہیں۔

تیسرا حکم باری تعالیٰ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں کو ادائیگی کا حکم ہے۔ یہاں اس ادائیگی سے مراد محض محتاج اور ضرورت مند عزیزوں کی ضرورتیں پوری کرنا یا ان کی مالی امداد کرنا ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ کئی عزیز یقیناً آپ سے زیادہ آسودہ حال ہوں گے۔ یہاں جو مجرد "ادائیگی" کا حکم ہے، اس کا مطلب حقوق کی ادائیگی ہے، جس میں مالی معاونت بھی بہرحال شامل ہے۔ حقوق کی ادائیگی کا تعلق تو ہر چھوٹے بڑے، امیر و غریب سے ہے اور رشتہ داری میں حقوق کی ادائیگی ہی باہمی انتشار کو روک کر محبت و الفت کے تعلقات کو مضبوط کر سکتی ہے۔ قریبی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے والوں سے ہی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ عامتہ الناس کے حقوق کا بھی خیال رکھیں گے۔

نواہی کی فہرست میں پہلی برائی جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ "فَحْشَاء" یعنی بے حیائی اور بے شرمی ہے۔ اس میں ہر وہ برائی شامل ہے جو فحش ہو۔ مثلاً زنا، برہنگی و عریانی، عمل قوم لوط، بدنظری، شراب نوشی، بدکلامی، تہمت تراشی، پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاری پر ابھارنے والا تصنیف شدہ مواد، ڈرامے اور فلمیں، عورتوں کا بن سنور کر مردوں سے میل جول وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لفظ "فحشاء" میں ان سب باتوں سے منع فرما دیا۔ دوسری چیز "منکر" ہے یعنی ہر وہ برائی جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں اور ہر سلیم الفطرت انسان جس سے گھن کھاتا ہے۔ تیسری چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ "بغی" ہے، جس کے معنی بغاوت و سرکشی، اپنی حدود سے تجاوز، بدنظمی اور ہلڑ بازی کے ہیں۔ گویا معاشرے کی شتر بے مہار کی سی کیفیت، قتل و غارت گری، چوری اور ڈکیتیاں اسی روش کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ سورۂ نحل کی اس آیہ مبارکہ میں بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر خیر اور ہر شر کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس آیہ مبارکہ کو "آیۂ عدل" کا نام دے دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ عدل ہی وہ جامع لفظ ہے کہ جس کی عملی کار فرمائی کے ذریعے بیان کردہ تمام اوامر و نواہی کے مقاصد

پورے ہو جاتے ہیں۔

جس طرح رات کے مقابل دن ہے' ایسے ہی ظلم کے مدِّ مقابل لفظ عدل ہے۔ ظلم کا مطلب کسی کا جائز حق اور مقام نہ دینا ہے اور دنیا کے اندر سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ جب انسان اللہ کے لائق مقام رفیع پر دوسری ہستیوں کو لا بٹھائے' ان کے حلال و حرام کو اللہ کے حلال و حرام کے برابر جان لے' ان سے ایسے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے' ان کو اپنا کار ساز اور حاجت روا مان لے تو یہ سب سے بڑا ظلم ہے' جو حضرت انسان سے روئے زمین پر سرزد ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں عدل یہ ہے کہ اللہ کے حقوق کی پاسداری کی جائے' کسی ہستی کو اس کا ضد اور ند نہ مانا جائے' اس کے حکم کے خلاف کسی کے حکم کو واجب الاتباع نہ مانا جائے' تمام شعبوں میں اسی کے احکامات اور حلال و حرام کی قیود کی پابندی کی جائے' اسی کو کار ساز اور حاجت روا تسلیم کیا جائے۔ گویا اللہ کی وحدانیت کا اقرار صرف زبان ہی سے نہ ہو رہا ہو' بلکہ اس کے عملی تقاضے بھی پورے کئے جا رہے ہوں تو یہ عدل ہے۔ اس عدل کے ہوتے ہوئے ہی معاشرتی زندگی کے دوسرے شعبے میں عدل پر قائم رہ سکتے ہیں۔

اس اعتبار سے ایک نظر پہلی امتوں کے انجام پر بھی ڈال لیجئے۔ قوم نوحؑ اور قوم عاد کی تباہی کا سبب اللہ کے حقوق کی عدم ادائیگی اور اس کے خلاف بغاوت' قوم لوطؑ کی تباہی کا سبب جنسی بے حیائی اور قتل و غارت' قوم صالحؑ کی تباہی کا سبب بھی بغاوت و سرکشی' قوم شعیبؑ کی تباہی کا سبب حسن معاملہ کی بجائے ناپ تول میں کمی' فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا سبب اللہ کے حقوق کے بارے میں زیادتی اور بنی اسرائیل کو بنیادی حقوق سے محروم کر دینا تھا۔ الغرض کسی قوم یا امت کی تباہی کے اسباب پر نظر ڈالیں تو واضح ہو جائے گا کہ اس آیہ مبارکہ میں دیئے گئے چھ نکاتی پروگرام سے انحراف ہی ان کی تباہی کا سبب بنا۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ مکی دور کی ہے جہاں آپ ﷺ کی ذمہ داری یہ تھی کہ : "وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ" (شوریٰ : ۱۵) "مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔" اس دور میں موٹے موٹے بنیادی اصول دیئے جا رہے تھے۔ مدنی دور میں نازل ہونے والی قرآنی سورتوں میں تفصیلی احکام اور قوانین دے کر

خلافتِ الٰہیہ کا دستور مکمل کر دیا گیا جو عدل اجتماعی کا آئینہ دار تھا۔ آج ہم اپنا جائزہ لیں تو معاشرہ کی جو تصویر آنکھوں کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ من حیث القوم ہم سب سے بڑے ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہم نے حلال و حرام کی قیود کو توڑ رکھا ہے' اللہ کے احکامات کے مقابلے میں دوسروں کے احکامات کی پیروی کر رہے ہیں' اللہ کے سوا دوسروں کے آگے کشکول گدائی لئے پھرتے ہیں۔ اس بڑے ظلم کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ ہم زندگی کے دوسرے شعبوں میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کر سکیں۔ چنانچہ وہاں بھی ہم نے کھلے بندوں ظلم و ستم' بدمعاملگی' دوسروں کے حقوق کی پاسداری نہ کرنا' بے حیائی اور برائی کے چلن کو عام کیا ہوا ہے۔ اس حالت میں اگر معاشرہ کو تباہی سے بچانا ہے تو پھر اپنے فرض منصبی کو پہچاننا ہو گا' جو قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور اگر پوری امت اس کام کے لئے نہیں اٹھ رہی تو امت میں سے ایک جماعت تو ایسی لازماً ہونی چاہئے جو یہ فریضہ ادا کرتی رہے۔ فرمایا :

﴿ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۰۴)

"تم میں سے ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے' نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

ظلم کے اس دور میں کامیابی حاصل کرنے والے صرف وہ لوگ ہیں جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوں' یعنی عدل اجتماعی کا جھنڈا سربلند کرنے کے لئے مصروفِ عمل ہوں۔

سورۂ نحل کی مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں جو چھ نکاتی ایجنڈا دیا گیا ہے اس کی افادیت سے کوئی بھی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ کام فرقہ واریت اور مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پروگرام میں مشتہیاتِ نفس کا بھی پورا سامان موجود ہے۔ غلبہ اور امن و سکون نفس انسانی کی مرغوبات ہیں۔ اس پیغام کو بُحَیرہ بن فراس نے پڑھ لیا تھا۔ آج تو عملی مثال کی شکل میں خلاف راشدہ کی پوری تاریخ محفوظ ہے۔

قرآن پاک میں جہاں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ذکر آیا ہے 'نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ وغیرھم کو اس میں شامل نہیں کیا گیا' بلکہ ان کا حکم علیحدہ سے دیا گیا ہے۔ اگر ان ارکان اسلام کو ہم بندگیٔ رب کا نام دیتے ہیں تو عدل اجتماعی قائم کئے بغیر بندگی رب کا یہ ہدف کسی صورت حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ایک ایسے معاشرہ کا تصور کیجئے جس میں بے حیائی' برائی اور بد معاملگی کا چلن عام ہو اور دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہو' اس میں کوئی انسان ذکر و فکر میں مست اللہ کی رضا کا طالب بنا بیٹھا ہو اور اسے اپنی پرہیزگاری اور تقویٰ کا بھی زعم ہو' تو کیا ایسا انسان اپنے مقصود کو پا سکتا ہے' جبکہ ظلم و زیادتی کے دور میں اس کو رزق حلال بھی میسر نہ آ رہا ہو۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پر غور کیجئے :

((الرجل یطیل السفرَ اَشعثَ اَغبرَ' یمدّیَدیه الی السّماءِ : یا ربّ! یاربّ! ومَطعمه حرامٌ ومَشربهٗ حرامٌ ومَلبسهٗ حرامٌ وغُذِیَ بالحرام' فانّٰی یُستجاب لَه!))

(مسلم اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا)

"ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار آلود پراگندہ مو آتا ہے۔ اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے : یارب! یارب! مگر حال یہ ہوتا ہے کہ روٹی اس کی حرام کی' کپڑے اس کے حرام کے اور جسم اس کا حرام غذا سے پلا ہوا۔ اب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول ہو؟"

اب ملاحظہ کیجئے یہ حدیث مبارکہ :

عن حذیفة رضی اللّٰه عنه عن النبیّ صلی اللّٰه علیه

وسلم قال : ((وَالّذی نفسی بیدہٖ لتأمرنّ بالمعروفِ ولتنھونّ عن المنکرِ او لیوشکنّ اللّٰہُ اَن یبعثَ علیکم عقاباً منہ ثم تدعونہٗ فلا یُستجاب لکم))

(ترمذی۔ حدیث حسن)

"حضرت حذیفہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا' ورنہ اس کا شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تم پر اپنی جانب سے ایک بڑا شدید عذاب بھیجے' پھر تم اسے پکارو لیکن تمہاری دعا قبول نہ ہو۔"

اس طرح ظلم کے نظام میں جکڑا ہوا کوئی فرد اللہ کی بندگی کرنا بھی چاہے تو وہ اس کام کے لئے ظلم کے پنجے سے آزادی حاصل نہیں کر پاتا۔ اس لئے بندگیٔ رب اور انسانوں کی غلامی سے نجات صرف اور صرف نظامِ عدل کے ذریعے ممکن ہے' جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصل ہدف ہے۔

جہاں تک قرآنِ مجید کے ان مقامات اور رسول کریم ﷺ کی ان احادیث کا تعلق ہے جن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مخاطب فردِ واحد نظر آتا ہے' تو اس کے لئے جان لینا چاہئے کہ اولاً فردِ واحد یہ ذمہ داری اس وقت ادا کر سکتا ہے جب حکومتی سطح پر تمام معاملات عدلِ اجتماعی کے مطابق چل رہے ہوں۔ بصورتِ دیگر افراد کے بس میں یہ نہیں ہے کہ برائی کے خلاف بند باندھ سکیں۔ اس لئے کہ ظلم پر مبنی معاملات اور سکیموں کو حکومت کا تحفظ اور لائسنس حاصل ہوتا ہے۔ اس صورت میں ایسے تمام افراد جن میں اس ذمہ داری کے ادا کرنے کا شعور اجاگر ہو جائے وہ ایک امیر کی امارت میں منظم ہوں اور اس عظیم انقلابی مشن کو انتہائی سلیقے اور طریقے سے لے کر آگے بڑھیں' تا کہ حکومت وقت بھی ایسی طاقت کے سامنے خائف نظر آئے اور ان کی اجتماعیت عوام کے سامنے بھی عدل کا نمونہ پیش کر کے ان کو اپنا پیرو کار بنا سکے۔

★★★★

امام شامل ؒ (۲)

امام شامل ؒ کے حالات زندگی پر انگریزی زبان میں شائع ہونے والی کرنل محمد حامد کی کتاب کا ترجمہ و تلخیص

ترتیب و ترجمہ : اظہار احمد قریشی

امام شامل ؒ کی شخصیت پر لیسلے برانچ کی مشہور زمانہ کتاب The Sabres of Paradise کے قریباً ایک تہائی حصے کا ترجمہ ابھی میں نے مکمل کیا تھا کہ کرنل محمد حامد صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا کہ لیسلے برانچ کی کتاب قابل اعتبار نہیں۔ وہ مستشرقین کے سے حربے استعمال کر کے ہمارے ہیروز کی تعریف تو کرتی ہے لیکن پھر ڈنک بھی مارتی ہے۔ اس رائے کا اظہار انہوں نے جناب سعید شامل صاحب جو امام شامل کے پوتے تھے' کے حوالے سے بھی کیا۔ جناب سعید شامل قریباً دس برس قبل وفات پا چکے ہیں۔ ان کی علامہ اقبال مرحوم سے بھی دوستی تھی اور یہ موتمر عالم اسلامی کے اولین ارکان میں سے تھے۔ ملاقات میں کرنل صاحب نے مجھے بتلایا کہ لیسلے برانچ کی کتاب میں ایک واقعہ درج ہے جو کرنل صاحب نے اپنی کتاب میں بھی درج کیا ہے۔ لیکن اب ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ غلط ہے۔ چنانچہ وہ اب اپنی کتاب کے اگلے ایڈیشن میں سے اسے حذف کر دیں گے۔

واقعہ یوں لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام شامل صاحب جن دنوں ایک بڑے علاقے کے حکمران تھے۔ ان کے علاقے کا ایک سرحدی حصہ دشمن کے گھیرے میں آگیا۔ چنانچہ وہاں کے لوگوں کے لئے جان بچانے کا واحد راستہ یہ تھا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔ اس کے لئے انہیں امام صاحب کی اجازت درکار تھی۔ لیکن انہیں معلوم تھا کہ امام صاحب ہتھیار ڈالنے کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے کسی میں بھی امام صاحب کے پاس جا کر یہ تجویز دینے کی ہمت نہیں تھی۔ اس پر انہیں یہ سوجھا کہ امام صاحب کی والدہ بہت نرم دل ہیں' ان کی معرفت درخواست کی جائے۔

امام صاحب کی والدہ بیٹے سے بات کرنے پر راضی ہو گئیں اور انہوں نے بات کی۔

بات سنتے ہی امام صاحب مسجد چلے گئے کہ نبی کریم ﷺ سے حکم حاصل کریں اور تین دن بعد نکل کر مجمع سے کہا کہ مجھے حکم مل گیا ہے کہ جس نے سب سے پہلے مجھ سے ہتھیار ڈالنے کی بات کی ہے اس کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ ان کی والدہ کو کوڑے لگائے گئے اور وہ پانچ ہی کوڑوں پر بے ہوش ہو گئیں۔ اس پر امام صاحب نے بقایا کوڑے اپنی والدہ کی طرف سے خود کو لگوائے۔ جو لوگ ہتھیار ڈالنے کی تجویز لے کر آئے تھے وہ یہ تمام کچھ دیکھتے رہے اور انہیں کچھ نہیں کہا گیا۔

کرنل صاحب کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نمک مرچ لگانے والے کیا کیا اختراعات کر سکتے ہیں۔

کرنل صاحب کے بیان کے مطابق حضرت امام شامل جناب مجدد الف ثانی کے چوتھے درجے میں سلسلہ نقشبندیہ کے خلیفہ تھے۔ کس قدر وسیع علاقے پر یہ سلسلے پھیلے ہوئے تھے! اور ان کی بدولت کیسی کیسی شخصیات ابھریں۔ کرنل صاحب بھی اس سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مجھے مرحوم خرم مراد صاحب کے بیٹے حسن صہیب مراد صاحب نے بتلایا کہ حضرت امام شامل کی جنگی چالیں اس قدر کامیاب اور اس قدر مدبرانہ تھیں کہ یہ اب یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔

حضرت امام صاحب کے جنگی کارنامے نقشہ کی مدد کے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ کرنل محمد حامد صاحب کی کتاب تو نقشہ سے قطعی خالی ہے۔ لیسلے برانچ کی کتاب میں نقشہ برائے نام ہی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ کہیں سے مفصل نقشہ جات حاصل کر کے پیش کروں۔ میں کرنل حامد صاحب سے بھی درخواست کروں گا کہ چونکہ انہوں نے اس میدان میں بہت دشت نوردی کی ہے' وہ مدد اور راہنمائی فرمائیں۔ پاکستان سے کچھ شوقین ٹورسٹ حضرات کو چاہئے کہ وہ خود جا کر حضرت امام شامل رحمتہ اللہ علیہ کے تیس سالہ جہاد کے مشہور مقامات مثلاً ڈارگو' اکھلگو' غمری وغیرہ کی زیارت کریں۔ مشکل ترین پہاڑی اور جنگلاتی سلسلوں کو دیکھیں۔ فوٹولیں' فلمیں بنائیں اور مسلمانوں کی تاریخ کے اس تابناک باب کو اس کی تمام تر جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں۔

پچھلے دنوں رسالہ "افکار معلم" میں حضرت سید احمد شہید کے سفر برائے جہاد' یوپی سے شروع کر کے راجپوتانہ اور سندھ اور پھر شمال کی جانب پشاور کی سمت سارے سفر کے مقامات قیام گنوائے گئے تھے۔ میں نے ایڈیٹر صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ نقشہ بھی دیں اور یہ بھی بتلائیں کہ حضرت کے ساتھ کتنے آدمی اور کتنا سامان تھا اور بھی کچھ

تفصیلات دیں۔ یہ تو ہمارا اپنا ملک ہے جس میں جہاد کیا گیا تھا اور ابھی اس جہاد کو جمعہ جمعہ آٹھ ہی دن تو ہوئے ہیں۔ ابھی تو بہت کچھ معلومات سینہ بہ سینہ سے بھی مل سکتی ہیں۔

میں نے محترم مسلم سجاد صاحب ایڈیٹر رسالہ ترجمان القرآن سے بھی درخواست کی ہے کہ وہ مجھے حضرت امام شامل صاحب کے متعلق جہاں سے بھی اچھی اور مستند کتابیں مل سکتی ہوں منگوا دیں۔ میں برخوردار عزیزم عاکف سعید سے بھی یہ درخواست کرتا ہوں۔ میں عزیزم سلمان بن نور محمد صاحب جو امریکہ میں کاروبار کر رہے ہیں' سے بھی یہی درخواست کر رہا ہوں۔

میری تمام تر دلچسپی حضرت امام شامل رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت سے ہے جو بھی پھول مل سکے گا وہ میں گلدستہ میں سجانے کی کوشش کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس عظیم شخصیت کے عزم' حوصلہ اور تدبر میں سے کچھ عنایت فرما دے۔ آمین ثم آمین ———— اظہار احمد قریشی

روسی فوج کی بدلہ لینے کی کارروائی کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد نذران سے ۹۰۰۰ فوجی ۲۸ توپوں کے ساتھ چیچنیا کے زیریں علاقے کو تہ و بالا کرنے کے لئے ۱۸۳۲ء میں روانہ ہوئے۔

روس ایک بہت بڑی طاقت تھی' یہاں تک کہ ہندوستان پر قابض انگریز بھی ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں روس ادھر کا رخ نہ کر لے۔ روس کے ہندوستان آنے کا راستہ یہی تھا جس پر سے گزرنا مجاہدین نے بے حد مشکل بنا دیا تھا۔

اس زمانے میں روسیوں کی جنگلات میں بنی ہوئی سڑکیں نہیں تھیں۔ اس سے دس بارہ سال قبل انہوں نے کافی چوڑا راستہ جنگلات میں بنایا تھا لیکن اس میں اب تک پھر بہت گھنا جنگل اگ آیا تھا جس میں سے گزرنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ روسیوں کو جنگلات کی انتہائی مشکل لڑائی لڑنی پڑی۔ چیچن بڑے بہادر تھے' ان کے جنگلات اور ان کے پہاڑوں میں دنیا کی کوئی فوج ان کو نیچا نہیں دکھا سکتی تھی۔ وہ زبردست نشانہ باز' انتہائی نڈر' فوجی معاملات میں بے حد ذہین تھے اور مقامی حالات سے فوراً فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ روسیوں کی ہر غلطی پکڑ لیتے اور انتہائی سرعت سے اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

روسی فوج کا راستہ گھنے جنگل میں سے گزرتا تھا' جس میں بہت اونچے درخت تھے۔ رستہ میں مجاہدین سے جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ مجاہدین جنگل سے فائر کرتے تھے اور فوج کے آدمیوں کا نقصان ہوتا تھا۔ لیکن مجاہدین نظر نہیں آتے تھے۔ جنگل سے جہاں دھواں اٹھتا نظر آتا' وہاں اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں مجاہدین ہیں۔ روسی سپاہی بس اس دھوئیں کا نشانہ لے کر فائر کرتے تھے۔

روسی فوج جہاں پڑاؤ کرتی تھی وہاں سے وہ چھوٹے چھوٹے دستے اطراف کے گاؤں تباہ کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔ یہ دستے مجاہدین کے سر تو اکٹھے کر لاتے تھے لیکن کوئی قیدی نہیں پکڑ سکتے تھے کیونکہ کوئی مجاہد ہتھیار نہیں ڈالتا تھا' آخر دم تک لڑتا تھا۔

فوج کے پڑاؤ کی جگہ پر رات کو مجاہدین کے اچانک حملہ سے بچنے کے لئے سخت حفاظتی تدابیر کی جاتی تھیں لیکن چیچن لوگ پھر بھی رینگتے ہوئے کیمپ تک پہنچ جاتے تھے۔ فوج کو پانی' چارہ اور ایندھن حاصل کرنے کے لئے بھی مزدوروں کی حفاظت کی خاطر فوجی دستے بھیجنے پڑتے تھے۔ چیچن بڑے بہادر اور انتھک لڑاکے تھے۔ وہ روسیوں کو سبق سکھاتے تھے کہ وہ ان کی آزادی اور مذہب میں مداخلت کو برداشت نہیں کریں گے۔

فوج کے مارچ کے دوران ان کے اگلے حصے' پچھلے حصے اور دونوں اطراف سے سخت حفاظتی اقدامات کئے جاتے تھے۔ کبھی کبھی روسی سپاہی فوج سے بچھڑ جاتے تھے تو چیچن (جیسے موقع کی تلاش میں ہی ہوں) فوراً ان بچھڑے سپاہیوں کو پکڑ لیتے اور ان کی مدد پہنچنے سے قبل ان کے ٹکڑے کر دیتے تھے۔ یہ ساری کارروائی گھنے جنگل میں ہوتی تھی۔

۱۸۳۲ء کے کسی مہینے (غالباً جون جولائی) کی ۱۸ تاریخ کو حضرت امام قاضی ملا کو آخری کامیابی نصیب ہوئی۔ روسی فوج پر اچانک حملہ کر کے انہوں نے ۵۰۰ روسی فوجیوں کو اپنا تعاقب کرنے کی ترغیب دلائی اور انہیں جنگلوں میں بیس میل تک اندر لے گئے اور وہاں تمام اطراف سے ان پر حملہ کر کے انہیں مکمل شکست دے دی۔ اس کارروائی میں ۱۴۹ روسی قتل یا زخمی ہوئے۔

روسیوں کی اسی مہم کے دوران چھ روز بعد انہوں نے چیچنیا کی ایک بڑی بستی پر

حملہ کیا جس میں چھ سو مکانات تھے۔ حضرت امام قاضی ملا صاحب نے کمک بھیجی لیکن یہ علاقہ خاصا ہموار تھا اور مجاہدین کے پاس توپ خانہ نہیں تھا چنانچہ مقابلہ نہیں کیا جا سکا لیکن مجاہدین نے زبردست بہادری کی مثالیں قائم کیں۔ اس بستی کے ایک کنارے پر تین مکانوں میں چیچن اور داغستانی مجاہدین تھے جن کی تعداد ۷۸ تھی۔

اگرچہ مجاہدین ان تین مکانوں میں محصور ہو گئے تھے لیکن وہاں سے روسی فوج پر زبردست فائرنگ کر رہے تھے اور کسی قسم کی صلح سے انکاری تھے۔ ان کی فائرنگ سے ایک روسی لیفٹیننٹ کرنل مر گیا اور کئی سپاہی زخمی ہوئے۔ اس پر فوج کے بڑے افسر موقع پر پہنچے۔ روسیوں نے ہر طرف سے ان تین مکانوں کو گھیرا ہوا تھا اور ان کے سپاہی اوٹ لے کر زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ کسی میں جرات نہیں تھی کہ مجاہدین کا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سامنا کرے، کیونکہ مجاہدین نشانے کے پکے تھے۔

روسیوں نے ایک ہلکی توپ کا گولہ داغا، جو تینوں مکانوں کے پار چلا گیا۔ لیکن اس سے دوسری جانب روسی سپاہیوں کو بھی نقصان پہنچا۔ روسی اگر اپنا محاصرہ توڑ کر توپ استعمال کرتے تو مجاہدین کو نکل بھاگنے کا موقع مل جاتا۔ چنانچہ تجویز کیا گیا کہ ان مکانات کو آگ لگا دی جائے۔ یہ بہت مشکل کام تھا۔ اس کے لئے لوہے کی چادروں کی ڈھال بنائی گئی جس کے پیچھے روسی سپاہیوں نے آگے بڑھ کر آگ لگائی۔ اس کے علاوہ کچھ روسی سپاہی مکانوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے چمنی کے راستے ہینڈ گرنیڈ اندر پھینکے۔ جن میں سے دو تو پھٹے باقیوں پر مجاہدین بیٹھ گئے اور ان کو پھٹنے سے روکا۔ آگ پھیلتی گئی اور مجاہدین کے لئے ہتھیار ڈالنے کے علاوہ بچنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔

اس پر روسیوں نے ایک ترجمان کے ذریعہ بات کرنی چاہی۔ اس پر فائرنگ رک گئی۔ روسیوں نے پیغام دیا کہ آپ لوگ ہتھیار ڈال دیں تو آپ کی جانیں محفوظ رہیں گی اور آپ کے لئے خاص رعایت یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے تبادلے میں آپ اپنے گھروں کو بھی جا سکیں گے۔

اس کے جواب میں ایک نیم برہنہ چیچن، جس کا جسم دھوئیں سے سیاہ ہو گیا تھا باہر آیا اور اس نے ایک مختصر سی تقریر کی جس کا مطلب یہ تھا کہ "ہم آپ لوگوں سے کوئی رعایت

نہیں مانگتے۔ ہماری آپ سے صرف ایک درخواست ہے کہ آپ ہمارے خاندانوں کو بتلا دیں کہ ہم نے کوئی کمزوری نہیں دکھائی' جس بہادری سے ہم زندہ رہے اسی بہادری سے مرے اور ہم نے اجنبی لوگوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔"

روسیوں نے چاروں طرف سے فائر کرنے کا حکم دے دیا۔ چیچنیوں نے مرنے کا پکا ارادہ کرلیا اور اپنا موت کا نغمہ شروع کرلیا جو شروع میں بلند آواز میں تھا لیکن جوں جوں ان کی تعداد آگ اور دھوئیں کے اثر سے کم ہوتی گئی' آواز بھی کم ہوتی گئی۔ البتہ آگ سے موت بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے جو ہر ایک برداشت نہیں کرسکتا۔ اچانک ایک جلتے ہوئے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی نمودار ہوا۔ اس نے روسیوں پر ایک فائر کیا اور اپنی تلوار لہراتا ہوا یہ چیچن روسیوں کی جانب دوڑا۔ اس کے ننگے سینہ پر گولی لگی۔ یہ اونچا اچھلا' گرا' پھر اٹھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے کی جانب جھکا اور گر کر مرگیا ـــــ پانچ منٹ بعد یہی منظر دہرایا گیا۔ اس مرتبہ چیچن سنگینوں پر ختم ہوا۔

جلتے ہوئے مکانات گرنے لگے اور شعلے چاروں طرف بکھرنے لگے۔ دھواں دینے والے کھنڈرات میں سے چھ زخمی داغستانی رینگتے ہوئے نکلے جو کسی معجزہ کے تحت ہی زندہ تھے۔ روسی فوجیوں نے ان کو اٹھالیا اور ایمبولینس تک پہنچایا۔ چیچن ایک بھی زندہ ہاتھ نہیں آیا۔ ۷۲ انسانوں نے اپنے آپ کو شعلوں کی نذر کیا۔

متعدد روسیوں کو بعد میں یہ خیال آیا کہ ایسا ظلم کیوں ہو رہا ہے۔ کیا اس زمین پر آزادی کے متوالوں کے لئے جگہ نہیں ہے کہ وہ آزادی سے رہ سکیں۔ روسیوں نے چیچنیوں کے باغات ان کے خون سے رنگین کردیئے۔ جن گھروں میں لوگ خوش خوش رہتے تھے ان کو ملبہ بنادیا۔ لیکن روسیوں کے خلاف ان کے دل کی نفرت کی ان کے خون سے آبیاری ہوئی اور وہ آج تک ان کے گیتوں میں شامل ہے۔ "شہید مرا نہیں کرتے۔ وہ اب تک لوگوں کے دلوں میں رہتے ہیں۔" ان کی تعریف میں گانے گائے جاتے ہیں' عورتیں اپنے بچوں کو ان کی کہانیاں سناتی ہیں اور ان میں وہی جذبات پیدا کرتی ہیں جن سے پچھلی صدی میں ان کے پہاڑوں پر روسی حملہ کے مقابلے میں مدافعت کی گئی تھی۔

اس مہم کے نتیجہ میں روسی ۸۰ گاؤں پر عارضی قبضہ کرسکے۔ ۶۱ گاؤں کو انہوں نے

مکمل تباہ کردیا اور ان کے ۳۶۸ آدمی قتل یا زخمی ہوئے۔

غمری کا معرکہ

اب تاریخ آگے چلتی ہے اور مشہور معرکہ غمری پیش آتا ہے۔ حضرت امام قاضی ملا اور جناب شامل صاحب غمری کی حفاظت کی تیاری کرنے لگے کیونکہ ادھر روسی حملے کا خطرہ تھا۔ امام قاضی ملا صاحب شہادت کی بڑی تمنا رکھتے تھے۔ انہوں نے مورچے بنائے جن میں مجاہدین تھے۔ روسی فوج نے حملہ کردیا۔ مجاہدین نے کوئی رعایت نہیں مانگی اور نہ ان کو رعایت دی گئی۔ یہ ایک ایک دو دو کر کے نکلتے تھے اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے تھے۔ ان میں سے صرف دو آدمی بچے' جن میں سے ایک ہمارے ہیرو شامل صاحب تھے۔ ان کی حیرت انگیز جسمانی طاقت' پھرتی' اور تلوار کے دھنی ہونے کی وجہ سے وہ بچ سکے۔ وہ ایک شیر کی مانند فوج کے عقب پر حملہ آور ہوئے۔ مڑ کر انہوں نے تلوار کے وار سے تین روسی سپاہی قتل کردیئے لیکن چوتھے سپاہی نے سنگین شامل صاحب کے سینہ کے پار کردی۔ اسی حالت میں بھی شامل صاحب نے سنگین کو تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے سنگین کے مالک کو قتل کردیا۔ اس کے بعد انہوں نے سنگین کو سینہ سے کھینچ کر نکالا اور جنگل میں غائب ہو گئے۔ سینہ کے اس زخم کے علاوہ ان کی ایک پسلی اور ایک شانہ پتھر سے زخمی تھے۔

تین دن چھپے رہنے کے بعد شامل صاحب ایک شہر میں پہنچ گئے اور وہاں ۲۵ دن تک زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ روسی سنگین ان کے ایک پھیپھڑے میں سے گزر گئی تھی۔ شامل صاحب کے سسر عبدالعزیز بڑے مشہور سرجن تھے۔ ان کے پاس زخم ٹھیک کرنے کے بڑے کامیاب نسخے تھے۔ ان کے بنے ہوئے مرہم روسی ڈاکٹر بھی مانگ کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ شامل صاحب صحت یاب ہو گئے۔

حضرت امام قاضی ملا کی شہادت

مورچہ میں لاشوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ ان مردوں میں ایک نماز کی حالت میں پایا گیا۔ ایک ہاتھ داڑھی پر تھا اور دوسرا ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ جب کچھ مقامی لوگ

بلائے گئے کہ وہ لاشوں کو پہچانیں تو وہ بہت ڈر گئے اور انہیں بڑا صدمہ ہوا۔ کیونکہ یہ عجیب و غریب مردہ جسم امام قاضی ملا صاحب کا تھا۔ انہیں یقین نہ آیا کہ امام قاضی ملا صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایسا ہی حضرت سید احمد شہید کے ساتھ ہوا تھا کہ ان کے بہت سے پیروکاروں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کی شہادت واقع ہو چکی ہے۔

امام قاضی ملا صاحب کی لاش روسیوں نے لے جا کر اپنے علاقے میں دفن کر دی۔ بعد میں شامل صاحب نے ۲۰۰ سوار بھیج کر قبر کھود کر لاش غمری لا کر دفن کر دی۔ روسیوں کے ۴۵۱ آدمی قتل یا زخمی ہوئے۔ مجاہدین نے ۱۹۲ آدمی شہید کروائے۔ اس جنگ میں امام شامل سخت زخمی ہو گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ شاید اب زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ تحریک جہاد کے اس نازک وقت جناب ہمزاد بیگ امام بنا لئے گئے۔ ان کے دور میں کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا۔ بدقسمتی سے جناب امام ہمزاد بیگ ایک مسجد میں ایک سازش کے تحت قتل ہو گئے۔ اس وقت شامل صاحب کہیں دور تھے۔ وہ کچھ مجاہد جمع کر کے پہنچے اور یہاں ان کو امام بنا لیا گیا۔

حضرت امام شامل نے اس وقت جب وہ امام نہیں تھے' وقت کے امام کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ وہ امام بننے کے خواہشمند نہیں تھے۔ وہ تو بس خدا کے راستے کے ایک مجاہد تھے۔

(جاری ہے)

ماہنامہ "میثاق" کے ۶۸-۱۹۶۷ء کے اداریوں پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف :

اسلام اور پاکستان

قیمت : اعلیٰ ایڈیشن (مجلد) -/۴۰ روپے اشاعت عام : -/۱۶ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

"ہم بیس دنوں میں 170 میل پیدل سفر کر کے پاکستان پہنچے"

امیر تنظیم اسلامی کے افکار

انٹرویو کے آئینے میں

پاکستان کی گولڈن جوبلی کے حوالے سے 17 جولائی کو روزنامہ "جنگ"

میں شائع ہونے والا انٹرویو

☆ آپ نے پاکستان بنتے دیکھا ہے آپ کے نزدیک قیام پاکستان کے مقاصد کیا تھے؟

○ قیام پاکستان کے مقاصد میں دو چیزیں گڈمڈ ہیں۔ پہلا ہندوستان کے مسلمانوں کا معاشی' سماجی اور مذہبی تحفظ' دوم اسلام کو ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے تعین کر کے عالمی انسانیت کے لئے روشنی کا مینار بنا دینا۔ مقدم الذکر یعنی مسلمانوں کا معاشی' سماجی اور مذہبی تحفظ قائداعظم کی سوچ میں غالب تھا اور موخر الذکر مقصد مصور پاکستان علامہ اقبال کا تھا۔ یعنی دونوں مقصد کرنٹ کے نیگیٹیو اور پازیٹو فیز ہیں جیسا کہ بجلی بھی دونوں سے بنتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلا مقصد کچھ حد تک ضرور حاصل ہو گیا یعنی مسلمانوں کی معاشی خوشحالی' سیاسی خود اختیاری اور سماجی تحفظ کسی حد تک حاصل ہو گیا۔

☆ آپ نے قائداعظم اور علامہ اقبال کے حوالے سے جو فرمایا ہے کیا اس سے دونوں شخصیات میں تضاد سمجھا جا سکتا ہے؟

○ دونوں میں تضاد نہیں لیکن دونوں کے تقاضے فوری طور پر مختلف ہو سکتے ہیں' علامہ اقبال چونکہ مفکر' فلسفی اور حکیم الامت تھے جب کہ ان کے پیش نظر پوری امت کا احیاء اور اسلام کا عملاً قیام تھا اور انہیں باتوں کے تابع ان کی سوچ تھی جب کہ قائداعظم نہ فلسفی تھے اور نہ ہی مفکر بلکہ وہ صرف "سٹیٹس مین" اور سیاستدان تھے۔ ان کے پیش نظر برصغیر کے مسلمانوں کو ہندو کے سیاسی اور معاشی غلبے سے بچانا تھا۔ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ جو نظریات علامہ اقبال کے تھے کہ وہ سود کا استحصال چاہتے تھے' جاگیرداری کو ختم کرنا چاہتے تھے لیکن ان چیزوں کی طرف ایک سوت برابر بھی پیش رفت نہیں ہوئی وہ چاہتے تھے کہ ایسی پارلیمنٹ ہو جس کے ذریعے اجتہاد کیا جا سکے کیونکہ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اجتہاد کر سکے لیکن کس کا اجتہاد قانون کی شکل اختیار کرے گا اس کا فیصلہ عدالت کرے گی۔

☆ پاکستان ایک اسلامی و جمہوری ملک ہے جب کہ آپ نظام خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ان میں کیا فرق ہے؟

○ ہمارے نزدیک خلافت سے مراد صرف خلافت راشدہ ہے کیونکہ بنو امیہ اور ترک خلافت ملوکیت ہے۔ ہم تمام اصول خلافت راشدہ سے لینا چاہتے ہیں جو ادارے قائم ہیں انہیں بھی جوڑا جائے گا کسی بھی ملک کے حقیقی جمہوری نظام اور دستور میں تین چیزیں شامل کرلی جائیں تو خلافت بن جائے گی۔ تین چیزیں یہ ہیں کہ (اول) حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ (دوم) کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی۔ (سوئم) یہاں غیر مسلموں یعنی اقلیت کو نہ تو قانون سازی میں شریک کیا جائے گا اور نہ ہی اعلیٰ سطحی پالیسی سازی میں شریک کیا جائے گا۔

☆ قیام پاکستان کے وقت حالات کیا تھے اور آپ نے کیا کردار ادا کیا؟

○ قیام پاکستان کے وقت میری عمر 15 برس تھی اور میں ایم ایس ایف ضلع حصار کا جنرل سیکرٹری تھا۔ 1946ء میں حبیبہ ہال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اجلاس میں' میں نے اپنے ضلع کی نمائندگی کی۔ پاکستان کے قیام کے دنوں میں ہمارا خاندان تقریباً ڈھائی ماہ شدید ابتلاء میں رہا۔ ہم ڈیڑھ ماہ محصور رہے اور ہم نے وہیں مورچے بنالئے۔ قریب ہی سناروں کی دکانیں تھیں جہاں سے کیمیکل وغیرہ لے کر ہم بارود بنالیتے تھے۔ ڈیڑھ ماہ بعد آرمی نے ہمارے مورچے توڑے اس کے بعد ہم نے سفر شروع کیا۔ ہم نے بیس دنوں میں 170 میل پیدل سفر کیا۔ پہلے ہمارے ساتھ انڈین آرمی تھی جب کہ ایک مقام کلاں والی سے پاکستانی فوج ساتھ ہو گئی۔ کلاں والی میں دراصل قافلے کا کلاگڑھ کیا تھا۔ 95 ہزار آدمیوں پر مشتمل قافلہ دس میل لمبا تھا۔ میں یہاں ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ جب ہم سلیمانکی ہیڈ سے اوکاڑہ آئے تو وہاں اونچی آواز میں فلمی گانے چل رہے تھے جنہیں سنتے ہی ہماری امیدوں اور امنگوں پر پانی پڑ گیا۔

☆ پاکستان میں اب تک مختلف لوگ حکمران رہے ہیں۔ آپ ان پر کیا تبصرہ کریں گے؟

○ میں قائداعظم اور لیاقت علی خان دونوں کو علیحدہ نہیں کرتا۔ ان کا دور ہنگامی تھا نئے ملک کی تعمیر ہونا تھا جب کہ وسائل بہت کم تھے' گھمبیر مسائل تھے' مہاجرین کی آمد' آبادکاری ایسے مسائل ہیں ملک کا قائم رہ جانا بھی قائدین کی جانفشانی کا مرہون منت ہے۔ اس کے بعد ملک و قوم کی بدقسمتی تھی کہ گورنر جنرل غلام محمد مسلط ہو گئے۔ تاہم خواجہ ناظم الدین نیک' مخلص' محب وطن اور محب قوم انسان تھے۔ سکندر مرزا ملک و قوم کے لئے دوسری بڑی بدقسمتی تھے جنہوں نے مارشل لاء لگایا۔ میرے نزدیک ایوب خان محب وطن تھے۔ ان کے دور میں پاکستان نے صنعتی میدان میں ترقی کی جس سے عمومی خوشحالی پیدا ہوئی البتہ یہ گمان موجود ہے کہ غیر

شعوری طور پر امریکہ نے ایوب خان کو پاکستان میں بنیاد پرستی کی روک تھام کے لئے استعمال کیا۔ چونکہ چودھری محمد علی نے دستور بنانے میں کامیابی حاصل کرلی تھی جن میں کافی اسلامی دفعات شامل ہوگئی تھیں لیکن عالمی صیونیت نے امریکہ کے ذریعے ایوب خان کو استعمال کر کے رکوالیا جب کہ دوسرا نظریہ بھی ہے کہ ایوب خان نے پاکستان کے نام سے اسلامی نکال کر صرف جمہوریہ پاکستان رکھ دیا۔ ایوب خان کے زوال میں اصل کردار مذہبی جماعتوں نے ادا کیا لیکن چونکہ ان کی تحریک بحالی جمہوریت کی تھی اور اسلامی جمہوریت کی بجائے صرف جمہوریت کو اپنا ہدف رکھا۔ تحریک کے نتیجے میں ایوب خان کا اقتدار تو کمزور ہوتا چلا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی ملک میں سیکولر جمہوریت کے تصورات مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد یحییٰ خان کا عبوری دور حکومت آیا جو ہماری ربع صدی کی ناکامیوں' نااہلیوں' اللہ سے وعدہ خلافیوں اور عملی کوتاہیوں کے فطری نتیجے میں عذاب آیا۔ بہ الفاظ دیگر یہ عذاب الٰہی کی پہلی قسط کا دور تھا جس میں ایک شرابی اور زانی ٹولے نے مسلمانوں کی پوری تاریخ کی عظیم ترین ہزیمتوں اور شرمناک شکستوں میں سے ایک ہزیمت اور شکست کے کلنک کا ٹیکہ پاکستان کے ماتھے پر لگا دیا۔ اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو منظر عام پر آئے ان کی صورت میں سیکولر جمہوریت بحال ہوگئی لیکن بھٹو نے دو کام انتہائی اہم کئے لیکن وہ تمام اچھے کاموں کی فصل کاٹنے کی صلاحیت سے عاری ثابت ہوئے۔ ان کے اچھے کاموں میں سب سے اہم یہ تھا کہ انہوں نے پاکستانی سیاست جو صرف وڈیروں اور جاگیرداروں کے ڈرائنگ روموں میں ہوتی تھی اسے گلی اور سڑک پر لا کھڑا کیا لیکن وہ عوامی جمہوریت کو کسی مثبت اور تعمیری رخ پر نہ ڈال سکے چنانچہ پاکستانی سیاست جو پہلے امراء کے ڈرائنگ روموں میں "ریپ" ہوتی تھی اب چوکوں اور چوراہوں میں ریپ ہونے لگی ہے۔ بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ غریب آدمی کو بھی عزت نفس کا احساس دلایا اور مزدور و کسان کے اندر بھی اپنے حقوق کا احساس اجاگر کیا لیکن اس کا بھی منفی نتیجہ نکلا کہ ان طبقات نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ جس سے صنعتی اور انتظامی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ بھٹو کے دیگر اچھے کاموں میں سے ایک اچھا کام یہ بھی تھا کہ پاکستان کا متفق علیہ دستور بنوالیا لیکن جلد ہی اکثریت کے بل بوتے پر اس کا جو حلیہ بگاڑنے سے کارنامے کی نفی ہوگئی۔ دوسرا اچھا کام دستوری' قانونی طور پر تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا تھا لیکن اسلام میں ارتداد کی جو سزا ہے اسے نافذ نہیں کیا گیا جس سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے باوجود بین الاقوامی سطح پر فائدہ پہنچا کیونکہ وہ مظلوم بن گئے جب کہ دوسری طرف اندرون ملک بھی انہیں کوئی نقصان نہیں

پہنچا۔ میرے نزدیک ذوالفقار علی بھٹو کی سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ انہیں قدرت نے پاکستان کا ماؤزے تنگ بننے کا سنہری موقع عطا کیا لیکن وہ اپنی جاگیردارانہ سوچ سے باہر نہ آسکے اور ناکام رہے۔ جنرل ضیاء الحق کو بھی نظام مصطفیٰ تحریک سے پیدا شدہ مذہبی جوش و خروش کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقام حاصل کرنے کا سنہری موقع دیا تھا لیکن وہ بھی بری طرح ناکام رہے۔ ضیاء الحق کی عظیم ترین ناکامی کے ساتھ مارشل لاء کی طوالت نے پاکستان کے عوام کے سیاسی شعور کو جو پہلے ہی بہت زیادہ نہیں تھا مزید مردہ کرنے اور سیاسی اداروں کو تقریباً ختم کرنے کا عظیم نقصان پہنچایا لیکن ضیاء الحق کی خوش قسمتی سمجھئے کہ افغانستان میں روسی فوجوں کی آمد کی صورت میں انہیں امریکی تعاون و امداد کے حصول کی صورت میں خود کو کیش کرانے کا موقع ملا۔ ضیاء الحق کے کریڈٹ کے کھاتے میں صرف دو کام جاتے ہیں کہ انہوں نے قرارداد مقاصد کو دستور کا جزو لاینفک بنا دیا اور فیڈرل شریعت کورٹ کا ادارہ قائم کیا اگرچہ انہوں نے انہیں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر غیر موثر بھی کر دیا۔ ضیاء الحق کے بعد بینظیر بھٹو کی بات کرنا چاہوں گا کیونکہ محمد خان جونیجو کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی۔ بینظیر بھٹو جب اپریل 1986ء میں پاکستان آئیں تو "کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے" کا سماں بندھ گیا تھا لیکن ان کے دونوں ادوار حکومت میں نہ کوئی خاص کامیابی نظر آئی اور نہ ہی خصوصی ذہانت کا مظہر سامنے آیا۔ دوسری طرف انہوں نے اپنے شوہر نامدار آصف زرداری کو ملکی سیاست کے میدان میں آنے کی اجازت دے کر عظیم ترین سیاسی غلطی کی۔ جہاں تک نواز شریف کی بات ہے تو نواز شریف کے سیاسی کیریئر کا آغاز جنرل ضیاء الحق کے دور میں ہوا۔ اپنی وزارت اعلیٰ کے دور میں انہوں نے بینظیر بھٹو کو ناکوں چنے چبوانے کی مہارت کا ضرور ثبوت دیا لیکن فور اوزیر اعظم بن کر وہ بھی کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکے بلکہ دو بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے۔ نواز شریف نے نفاذ شریعت ایکٹ میں سود کو جاری رکھنے کا اعلان کیا جب کہ تجارتی سود کے "ربا" اور حرام ہونے کا جو فیصلہ فیڈرل شریعت کورٹ نے دیا اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ دوسرا گناہ عظیم یہ کیا کہ انہوں نے جو وعدہ کیا تھا کہ نفاذ شریعت ایکٹ کے بعد جلد ہی وہ دستوری ترمیم بھی منظور کرائیں گے جس میں کتاب و سنت کی کلی بالادستی طے کر دی جائے گی لیکن یہ وعدہ بھی پورا نہیں کیا گیا۔

★ ★ ★

☆ تنظیم اسلامی کیوں قائم ہوئی اور اس کے قیام کی اولین کوشش کب ہوئی؟

☆ اس کی "قرارداد تاسیس" قافلہ جماعت اسلامی سے جدا ہونے والے کن "اکابرین" کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی؟

☆ اولین کوشش میں ناکامی کے بعد دوبارہ اس کے قیام کا عزم کس نے کیا اور اس کا باقاعدہ قیام کب عمل میں آیا؟

☆ تنظیم اسلامی کے اساسی نظریات کیا ہیں اور اس کے پیش نظر اہداف و مقاصد کون کون سے ہیں؟

☆ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے پس منظر میں تنظیم اسلامی کا محل و مقام کیا ہے؟

☆ تنظیم اسلامی کے بانی کا فکری و تحریکی پس منظر کیا ہے؟

ان تمام سوالات کے تفصیلی جواب کیلئے

تنظیم اسلامی کے درج ذیل تین اساسی کتابچوں کا مطالعہ ناگزیر ہے

------(۱)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر ۱

عزمِ تنظیم

(سابقہ "سرا فگندیم")

عمدہ طباعت، صفحات ۴۷، قیمت -/۷

------(۲)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 2

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

صفحات ۴۸، عمدہ طباعت، قیمت -/۶

------(۳)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 3

تعارفِ تنظیمِ اسلامی

صفحات ۸۸، قیمت -/۷، عمدہ طباعت

-------- ملنے کے پتے --------

● مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو- لاہور

● دفتر تنظیم اسلامی لاہور شہر، ۴-اے، مزنگ روڈ، نزد فیملی ہسپتال

● قرآن اکیڈمی [illegible] کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 46 No.8
August 1997

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The Qur'anic Horizons

Patron: Dr. Israr Ahmad

July-September 1997 issue is now available!

Contents

- **The Post-Modern Destiny of Islam**
  (By Basit Bilal Koshul)
- **The Dynamic Range of Faith**
  (By Yahya Ahmed Herlihy)
- **Islamic Provisions of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973 What More is Required?**
  (By Dr. Tanzilur Rahman)
- **Strategy for the Elimination of *Riba***
  (By Dr. Sayyid Tahir)

Send Orders to:

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore
36-K, Model Town, Lahore-54700
Phone: 5869501-3 Fax:5834000 E-Mail: anjuman@brain.net.pk